فضل الباری

toobaa-elibrary.blogspot.com

از

مسیح الامت حضرت مولانا شاہ محمد مسیح اللہ خانصاحب شروانی مدظلہم

از اکابر خلفاء

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہ

مکتبہ فیض اشرف جلال آباد ضلع مظفر نگر

ہدیۂ مدرسہ عربیہ حقانیہ ساہیوال ضلع سرگودھا
از مولانا وکیل احمد شیروانی لاہور

وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ

کتب خانہ مدرسہ عربیہ حقانیہ
نمبر ۵۵۵
ساہیوال ضلع سرگودھا

ختم البخاری

افاضات

عارف کامل عالم ربانی مسیح الامت حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب شروانی

دامت برکاتہم

مُرَتِّب

جناب مولانا حافظ قاری مفتی نصیر احمد صاحب اُستاذ جامعہ علمیہ مفتاح العلوم جلال آباد

ناشر

سید عبد الرحیم مالک مکتبہ فیض اشرف جلال آباد

ضلع مظفر نگر (یو، پی)

قیمت ۵/۱

کتب خانہ فضل الرحمٰن

toobaa-elibrary.blogspot.com

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بَابُ قَوْلِ اللّٰہِ وَنَضَعُ الْمَوَازِیْنَ الْقِسْطَ لِیَوْمِ الْقِیٰمَۃِ وَاَنَّ اَعْمَالَ بَنِیْ اٰدَمَ وَقَوْلَھُمْ یُوْزَنُ۔ وَقَالَ مُجَاھِدٌ اَلْقِسْطَاسُ اَلْعَدْلُ بِالرُّوْمِیَّۃِ وَیُقَالُ اَلْقِسْطُ مَصْدَرُ الْمُقْسِطِ وَھُوَ الْعَادِلُ وَاَمَّا الْقَاسِطُ فَھُوَ الْجَائِرُ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ اَشْکَابَ قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَیْلٍ عَنْ عُمَارَۃَ بْنِ الْقَعْقَاعِ عَنْ اَبِیْ زُرْعَۃَ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَلِمَتَانِ حَبِیْبَتَانِ اِلَی الرَّحْمٰنِ خَفِیْفَتَانِ عَلَی اللِّسَانِ ثَقِیْلَتَانِ فِی الْمِیْزَانِ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔

بیان سند روایت

(ارشاد فرمایا) میں اس وقت روایت حدیث باجازت حضرت استاد مولانا السید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ کر رہا ہوں، اور مولانا کو اجازتِ روایت مختلف حضرات مشائخ سے حاصل تھی، حضرت مولانا شیخ الہندؒ سے حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوری مہاجر مدنی سے، حضرت مولانا عبد السلام محدث پانی پتیؒ سے، حضرت مولانا الشیخ محمد طاہر محدث مکیؒ سے، اور حضرت مولانا شیخ الہندؒ کو حضرت مولانا محمد قاسمؒ سے ان کو حضرت مولانا الشاہ عبد الغنیؒ سے ان کو حضرت مولانا الشاہ محمد اسحاقؒ سے ان کو حضرت مولانا الشاہ عبد العزیزؒ سے ان کو حضرت

toobaa-elibrary.blogspot.com

مولانا الشاہ ولی اللہ قدس سرہ سے اور حضرت مولانا الشاہ ولی اللہ قدس سرہ سے حضرت امام بخاریؒ تک سند معروف و مشہور ہے۔

حضرت امام بخاریؒ کی یہ کتاب جامع صحیح بخاری جو دو جلدوں میں آپ نے پڑھی ہے، اس کی ابتدار اور انتہار ترتیب ابواب و تراجم اور ترتیب احادیث کے نہایت موزوں و مناسب اور عجیب و غریب انداز کے ساتھ نہایت ہی اعلیٰ پیرایہ میں واقع اور موجود ہوئی ہے اور کیوں نہ ہو اس کتاب کے مؤلف حضرات امام بخاریؒ نے بڑی ہی اونچی شخصیت پائی تھی، بلند پایہ کمالات رکھتے تھے۔

بارہ سال کی عمر میں علم حدیث وغیرہ حاصل کر کے فارغ ہو چکے تھے نہایت قوی اور مضبوط حافظہ رکھتے تھے، ان کی قوتِ حافظہ کے واقعات کثیر در کثیر ہیں، ان کے زمانہ میں کوئی ان کے ہم پلہ نہ تھا، اٹھارہ سال کی عمر میں تصنیف و تالیف کا کام شروع فرما دیا تھا۔

کیفیت تالیف و ترتیب ابواب

اس اپنی کتاب جامع صحیح بخاری کو انھوں نے عجیب مہتم بالشان طریقہ کے ساتھ تالیف فرمایا ہے کہ مسجد نبوی میں بیٹھ کر احادیث مدوّن فرماتے تھے اور ہر حدیث لکھنے سے پہلے غسل فرماتے اور دو رکعت نماز ادا فرماتے حتیٰ کہ جب صحت حدیث کا یقین ہو جاتا تب اپنی کتاب کو اس سے زینت دیتے

اسی طرح تراجم ابواب بھی نرالی شان کے ساتھ قائم فرماتے چنانچہ تراجم کے سلسلہ میں ان کی یہ عادت تھی کہ ہر ترجمہ قائم کرنے سے پہلے طواف فرماتے اور مقام ابراہیم میں دو نفل ادا فرماتے

مقصد تراجم

ہر ترجمہ سے بالقصد و بالذات یا تو اہل السنت والجماعت کے مذہب حق کی حمایت و تائید اور اس کا اثبات ہوتا ہے یا کسی باطل مذہب کا ابطال اور رد مقصود ہوتا ہے اور اسلئے ہر ترجمۃ باب ایک دعویٰ کی حیثیت رکھتا ہے اور اس کے ساتھ آیت و حدیث بمنزلہ دلیل

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہوتے ہیں

اسی عادت کے موافق یہاں آخری باب سے فرق باطلہ میں سے معتزلہ کے مذہب کا ابطال اور رد فرمایا، اور اہل سنت والجماعت کا مذہب ثابت فرمایا ہے، کسی اہل حق کے مذہب حق کا ابطال ان کا بالکل مقصود نہیں ہوتا۔

امام بخاریؒ کا مقصد وضع تراجم سے حضرت امام اعظم پر رد نہیں ہوتا

ایک ضروری بات عرض کرتا ہوں وہ یہ کہ اگرچہ مشہور ہے کہ امام بخاریؒ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کے مذہب کی تردید کرتے رہتے ہیں، مگر میرا اپنا خیال یہ ہے کہ بالقصد کسی مذہب حق کا ابطال امام بخاری کی جلالتِ قدر اور شانِ علمی سے بعید ترین ہے، پس یہ گمان بالخصوص صحیح بخاری کے پیش نظر ان کی ذات گرامی کے ساتھ بہت بعید معلوم ہوتا ہے، البتہ ضمناً کسی مذہب حق کی بھی ان کے تراجم کی وضع و نوعیت سے تردید لازم آجائے یہ امر آخر ہے مگر یہ ضمنی اور التزامی تردید قابل شکایت نہیں ہو سکتی۔

نیز تراجم کے مدنظر وہ مذاہب اربعہ میں سے کسی ایک کے پابند نہیں معلوم ہوتے گو بعض نے ان کو شافعی المذہب کہا ہے مگر صحیح یہ ہے کہ یہ خود مجتہد تھے کسی مجتہد کے مقلد نہیں تھے، خیر یہ بات تو ضمناً آگئی تھی، اصل بات یہ تھی کہ امام بخاریؒ نے اس باب کو قائم فرما کر معتزلہ کے مذہب کو رد فرمایا ہے اور اہل السنت والجماعت کے مذہب کی تائید اور تقویت فرمائی ہے جیسا کہ عنقریب تفصیل سے معلوم ہوگا۔

تاہم اجمالاً یہاں اتنی بات عرض کرتا ہوں کہ معتزلہ وزن اعمال اور وضع میزان کے منکر ہیں اور اہل السنت والجماعت قیامت کے روز وزن اعمال کے، اور میزان کے قائم کئے جانے کے قائل ہیں۔

اب تک جو کچھ عرض کیا گیا وہ تمام تمہید کے طور پر ہوا، اب باب اور ماتحت الباب کے متعلق اپنی عادت کے موافق تقسیم مضامین اور تنویع مباحث یعنی اجمالی اور حدولی

toobaa-elibrary.blogspot.com

طور پر کچھ ابحاث متعین کرنا اور سوالات قائم کرنا تسہیل ضبط اور تیسیر حفظ اور توسیع فی النفس اور سہولتِ ذہن نشینی کی خاطر مناسب اور بہتر خیال کرتے ہوئے عرض ہے کہ یہاں ترجمۃ الباب اور عنوان بیان دعویٰ سے متعلق چند بحثیں ہیں جن کی تعیین اور تفصیل یہ ہے۔

اجمالِ مباحثِ ترجمۃ الباب

۱ اس باب کو آخر میں کیوں لائے؟

۲ اس آیت وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ میں میزان اور ترازو قائم فرمانے کا ذکر ہے۔ حالانکہ میزان اور ترازو مقدار اور وزن معلوم کرنے کے لئے ہوتی ہے، جس طرح ہر آلہ کسی مقصد و مطلب کے لئے ہوتا ہے اسی طرح میزان بھی ایک آلہ ہے جس سے غرض اور مقصود مقدار و وزن شئ کا معلوم کرنا اور جاننا ہوتا ہے، چنانچہ جہاں کسی شئ کا وزن معلوم ہوتا ہے وہاں میزان کی ضرورت و نوبت نہیں آتی۔

تو یہاں یہ بات ظاہر بلکہ اظہر ہے سب ہی جانتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کو سب کچھ معلوم ہے ان کا علم لافانی، ابدی اور ہر شئ کو محیط ہے اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ اَلَا اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ ○ ان کی شان ہے کوئی چیز کبھی کسی طرح ان پر مخفی اور پوشیدہ نہیں ہوتی پھر وضع میزان کا اظہار و اعلان کیوں فرمایا اس سے تو بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وضع میزان سے اعمال کا حال معلوم فرمائیں گے۔ تو اگر پہلے سے معلوم تھا تو تحصیل حاصل ہوگی اور اگر معلوم نہیں تھا تو یہ عدم علم اور جہل کا اثبات ہے، اور یہ دونوں ذاتِ باری تعالیٰ میں عقلاً محال ہیں اور جو شئ محال کو مستلزم ہوتی ہے وہ خود محال ہوتی ہے، پس آیت وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ سے جو میزان اور وزن اعمال ثابت ہوتا ہے یہ بھی محال ہے، اس لئے بظاہر میزان اعمال کا قائم کرنا درست نہیں، اگر درست ہے تو کس طرح؟

۳ موازین جمع کا صیغہ کیوں اختیار فرمایا کیا میزان بہت سی تعداد میں ہوں گی ورنہ پھر جمع کا صیغہ کیوں لایا گیا؟

toobaa-elibrary.blogspot.com

۴۔ موازین کے بعد قسط کا لفظ ہے جو ظاہراً موازین کی صفت ہے حالانکہ موصوف وصفت میں مطابقت ضروری ہوتی ہے پھر قسط جو کہ واحد کا صیغہ ہے وہ موازین کی صفت کیسے ہو سکتا ہے؟

۵۔ قسطاس رومی زبان کا لفظ ہے اور قرآن عربی زبان میں ہے پھر قرآن میں اس غیر زبان کا استعمال سو ہم عجز باری تعالیٰ ہونے کے باوجود کیسے درست ہوا؟۔

۶۔ قسط لغات اضداد میں سے ہے عدل کے معنی میں بھی آتا ہے اور ظلم کے معنی میں بھی یہاں کیا مراد ہے؟

۷۔ یہاں وضع موازین مطلق اور عام ہے کوئی قید و تخصیص کسی قسم کی نہیں ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر مسلم و مومن اور غیر مومن، غیر مسلم سب کے اعمال وزن ہوں گے سبھی کے لئے میزان عدل قائم ہوگی، حالانکہ دوسری آیت فلا نقیم لھم یوم القیمۃ وزنا سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار کے لئے وزن نہ ہوگا، ان کے لئے میزانِ عدل قائم کرنے کی نوبت نہ آئے گی، تو ایک آیت میں اثبات ہے دوسری میں نفی ہو رہی ہے یہ تو تعارض ہو گیا۔ اور کلام میں تعارض ہونا عام انسان کے لئے بھی نقص اور عیب شمار ہوتا ہے چہ جائیکہ کلام الٰہی میں یہ تو نہایت ہی بعید ہے اس لئے رفع تعارض ضروری ہے، پس اس کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟

۸۔ اعمال بنی آدم اور اقوال اعراض ہیں مقولاتِ تسعہ میں سے ہیں جن کے لئے جسم نہیں ہوتا، ہیولیٰ وغیرہ صورت جسمیہ صورت نوعیہ سے خالی ہیں اور جو چیزیں ایسی ہوتی ہیں ان کا وزن محال ہوتا ہے اور جو چیز مستلزم محال ہو وہ خود محال ہوتی ہے، لہٰذا وزن اعمال محال ہے، پس جب اقوال و اعمال جسم اور صورت جسمیہ سے عاری ہیں تو بغیر اجسام محض اعراض کا وزن کیونکر ہو سکتا ہے؟ یہ آٹھ بحثیں ہیں جو باب و ترجمۂ باب سے متعلق ہیں۔

تفصیل مباحث ترجمہ باب

اب جب کہ جملہ مباحث اجمالی اور جدولی طور پر آپ کو معلوم ہو چکی تو ان کی تفصیل عرض کرتا

toobaa-elibrary.blogspot.com

نسب اور ضروری ہے لہذا اب اس کی تفصیل سنئے۔

پہلی بحث یہ تھی کہ امام بخاریؒ اس باب کو آخر کتاب میں کیوں لائے۔ سو اس کے لئے غور و فکر درکار ہے، چونکہ امام بخاریؒ ترتیب ابواب اور تراجم و عنوانات اس طور پر قائم فرماتے ہیں جس سے اس کتاب کا مطالعہ کرنے والوں پڑھنے پڑھانے والوں کو قوت فکریہ اور انتقال ذہنی سے کام لینا پڑے، وعظ کا طریق اختیار نہیں فرماتے کہ ہر ہر چیز کی تشریح اور وضاحت و صراحت فرمائیں، اس لئے اپنی عادت کے موافق یہاں اس آخری باب و ترجمہ میں بھی مطالعہ اور غور و فکر پر خاموش اور عجیب طرز سے تنبیہ فرماتے ہیں۔

تحصیل علم کے اصول و شرائط کی اہمیت

افسوس ہمیں اپنے اسلاف و اکابر کی شفقت اور ان کے محبوب و مقبول طور و طرز کی قدر نہیں، ہمارے اکثر و بیشتر طلبہ نے تحصیل علم کی شرط لابدی اور حصول علم کے موقوف علیہ یعنی مطالعہ اور غور و فکر کو ترک کر دیا ہے، بس طلب علم کے اسم و رسم فقط ظاہری نقل و حرکت پر اکتفا کر بیٹھتے ہیں: حالانکہ یہ بات کسی بھی انسان پر مخفی اور پوشیدہ نہیں حالاً قالاً سب ہی اس بات کے مُقر و معترف ہیں کہ کسی چیز کا حاصل ہونا اس کے مبادی و لوازم اور اصول و شرائط کے حاصل کرنے حاصل ہونے پر موقوف رہتا ہے، پھر یہ اصول و شرائط ہر شخص کے من گھڑت صحیح نہیں ہوا کرتے کہ خود خیال کرلے اور سمجھ بیٹھے کہ یہ فلاں فلاں چیزیں اس کے لئے ضروری تھیں وہ میں نے حاصل کرلیں تو اس طرح من سمجھوتی کر بیٹھنے سے شئی مقصود اور اصلی مطلوب میں کامیابی نہیں ہوا کرتی بلکہ ان لوازم و شرائط کو فائزین اور اس کے ماہرین محققین اور تجربہ کاروں سے سیکھنے اور جاننے اور ان کی ہدایات و تعلیمات کے مطابق پوری ماتحتی اختیار کرنے سے صحیح کامیابی اور فائز المرامی نصیب ہوتی ہے ورنہ محنت و مشقت اور وقت ضائع کرنے کے سوا کچھ نہیں ہوتا اور ایسی بے ضابطگی اور بے ڈھنگی کوشش و محنت کو طلب ہرگز نہیں کہا جا سکتا گو ظاہراً اور صورۃً ایسا شخص بشکل طالب ہو یہ تو درحقیقت

toobaa-elibrary.blogspot.com

نری تمنّا اور محض بوالہوسی ہے۔

تو تعجب ہے کہ سب چیزوں اور تمام مقاصد کے لئے تو اصول اور شرائط ہوں اور ان میں من سمجھوتی کی گنجائش نہ ہو اور علم جیسی عظیم الشان چیز اور مقصد اعلیٰ کے لئے نہ کچھ اصول ہوں نہ شرائط۔ یا ان میں ہر شخص کی تجویز و تعیین کو دخل ہو، لامحالہ اس امر عظیم صفتِ علم کے لئے بھی اصول و شرائط ہیں جو اہلِ علم علماء، عاملین محققین کاملین، عالمین ماہرین ہی سے معلوم ہو سکتے ہیں۔

تحصیل علم کے تین اصول

چنانچہ انھوں نے اصول و شرائط بیان فرمائے ہیں، منجملہ ان کے غور و فکر اور مطالعہ کا التزام، تقویٰ کا اہتمام، علم و اہل علم و آلاتِ علم کی تعظیم و احترام ہے، ان کی پابندی نہایت ضروری ہے ان کا اہمال یا ان میں اخلال باعث محرومی و شوی ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ آج اکثر یہ شکایت ہوتی ہے کہ پہلے جیسے علماء اب کیوں نہیں ہوتے، جو بھی معمر ذی علم دنیا سے سفر کر جاتا ہے اس کی جگہ پُر نہیں ہوتی خلا باقی رہ جاتا ہے، سو تعجب کی کیا بات ہے، جب زمانہ تحصیل علم میں ان کے نقش قدم اور ان کے طور و طریق نہیں اپناتے تو حصول مقصد میں ان کی نظیر کیسے بنیں، لامحالہ جیسی کوشش ہوتی ہے ویسا ہی نتیجہ ملتا ہے لیس للانسان الا ما سعیٰ۔ صحیح اور پوری جد و جہد نہ ہونے کے سبب اصل اور صحیح مقصد تک بھی رسائی نہیں ہوتی اسی کو محققین فرماتے ہیں انما حرموا الوصول بترک الاصول۔ لوگ اصول چھوڑ دینے کی وجہ سے مقصود تک نہیں پہنچتے محروم رہتے ہیں واقفیت نہیں آتی ذوقِ علم پیدا نہیں ہوتا، ہمارے اکابر خوب سمجھتے تھے اس لئے اپنے اخلاف کو مطالعہ و غور و فکر پر بھی یہ فرما کر مجبور کر گئے کہ طالب علم کے لئے مطالعہ کرنا فرض ہے

نیز غیر متقیانہ افعال کے مرتکب کو زمرۂ طلبہ سے خارج سمجھتے اور حسب موقعہ اس کا اظہار بھی فرماتے تھے۔ چنانچہ کانپور میں ایک طالب علم کی چوری کی شکایت کے پہنچنے پر جب داروغہ صاحب نے حضرت تھانویؒ سے دوران گفتگو یہ کہا کہ صاحب

toobaa-elibrary.blogspot.com

تعجب ہے کہ طالب علم بھی چوری کرتے ہیں۔ حضرت والاؒ نے فی البدیہہ فرمایا کہ طالب علم تو چوری نہیں کرتے البتہ چور طالب علمی کرتے ہیں۔

دیکھئے حضرت والا کے اس فرمان سے معلوم ہوا کہ اصلی طالب علم حقیقی طلبگار علم چوری جیسے جرم اور فعل موذی کو نہیں کرتے یہ ان کی شان کے منافی ہے، ہاں بعض دراصل طالب علم نہیں ہوتے مگر طالب علمی کے بھیس میں ہوتے ہیں جن کی پہچان یہی ہے کہ طلب علم کی شان ان میں نہیں پائی جاتی جاہلانہ اور عامیانہ حرکات وافعال میں مبتلا ہوتے ہیں۔

اسی طرح بے ادبی اور گستاخی بھی حصول علم سے مانع ہے، اگر بظاہر کچھ کتابیں پڑھنا پڑھانا آبھی گیا اور گویائی حاصل ہو بھی گئی تو اس سے نفع نہ ہوگا، ایسوں کے متعلق خطاباً مولانا رومیؒ فرماتے ہیں۔ ؎

ایھا القوم الذی فی المدرسہ ٭ کل ما حصلتموہ وسوسہ

فرماتے ہیں یہ جو تم نے مدرسہ کی چہار دیواری میں رہ کر سیکھا ہے یہ تو محض وسوسہ اور دھوکہ ہے اور زعم فاسد اور خیالِ باطل ہے یہ ہرگز علم نہیں، مطلب یہ ہے کہ جو علم ہے وہ تو تواضع اور ادب و احترام کے ساتھ ہوتا ہے، تعلی، تکبر، بے ادبی، گستاخی، دل آزاری، ایذا رسانی ہو تو وہ حاصل نہیں ہو سکتا، چنانچہ اکابرین نے فرمایا ہے ؎

العلم حرب للفتی المتعالی ٭ کالسیل حرب للمکان العالی

علامہ برہان الدین زرنوجی تلمیذ رشید صاحب ہدایہ نے لکھا ہے ان طالب العلم لاینال العلم ولا ینتفع بہ الا بتعظیم العلم واھلہ وتعظیم الاستاذ وتوقیرہٖ۔ کہ علم اور اہل علم کی تعظیم اور بالخصوص استاذ کی تعظیم اور اس کی عزت کے بغیر علم حاصل نہیں ہو سکتا، اور نہ علم سے نفع ہو سکتا ہے، اس کے بعد متقدمین سے ایک اصل الاصول اور قاعدہ کلیہ نقل فرمایا ہے جو بہت ہی قابل اہتمام اور بڑی غور سے سننے کے قابل ہے۔ فرماتے ہیں ما وصل من وصل الا بالحرمۃ۔ وما سقط من سقط الا بترک الحرمۃ کہ جو بھی منزل مقصود تک پہنچا ہے ادب و احترام عظمت وحرمت ہی کے ذریعہ پہنچا ہے اور جو بھی گرا ہے جو بھی ذلیل و خوار ہوا ہے

toobaa-elibrary.blogspot.com

بے ادبی، بے حرمتی ہی اس کا سبب ہوئی آگے اس سے بھی بڑھ کر اور ترقی کر کے فرمایا ہے گویا یوں فرماتے ہیں کہ تم نہیں جانتے کہ عظمت و حرمت اور ادب و تعظیم کیا چیز ہے یہ تو چیز ہی کچھ نرالی ہے، کان کھول کر دھیان لگا کر سنو الحرمة خیر من الطاعة جس کے دل میں حرمت و عظمت نہیں تو لاکھوں برس کی عبادت و طاعت بھی اس کے پاس ہو سب بیکار اور اکارت اور لغو ہے کوئی امتیاز نہیں اور عظمت دل میں ہو تو اس کی برکت سے سب لغزشیں معاف ہو جاتی ہیں، حدیث میں یہ مضمون وارد ہے۔

غور کر کے دیکھا جائے خالق کے یہاں بھی اور خلقت میں بھی سب ہی جگہ اس اصول کے موافق معاملات اور برتاؤ ہوتے ہیں۔

بہر حال یہ باتیں ضمناً اور ذیلاً آگئیں جو کہ ضروری تھیں، بزرگان دین اکابر محققین کے ان ارشادات کا قدر کرنا چاہیئے۔

عزیزان من! جو حضرات ظاہری فراغت پا کر جا رہے ہیں وہ بھی درحقیقت طلب علم سے فارغ نہیں اس لئے فارغین غیر فارغین سب ہی حضرات جملہ اصول و شرائط کی رعایت و لحاظ رکھیں بالخصوص اخلاص و تصحیح نیت کہ رضاء الٰہی مقصود ہو اس کے سوا مال و جاہ وغیرہ کچھ بھی مقصود و مطلوب نہ ہو، اور مطالعہ کا التزام و اہتمام تام ہو اور احکام شریعت ظاہرہ ہوں یا باطنہ سب کی پوری پوری عظمت ہو اور پوری پابندی ہو۔

غور و فکر یعنی مطالعہ کا لزوم و وجوب

عزیزان من! علم ایک روحانی غذا ہے۔ ظاہر ہے کہ غذاؤں میں جو لازم اور ضروری ہوتی ہیں اگر ان کو ترک کر دیا جائے۔ مثلاً ظاہری اور مادی و جسمانی غذاؤں کی ضروری اشیاء اور ضروری مقداریں ترک کر کے صرف پانی پینے ہوا کھانے یا صرف چٹنی چکھ لینے پر اکتفاء کیا جائے تو یہ جسمانی ضعف و نقاہت ہوتے ہوتے موت و ہلاکت ہی تک پہنچا دے گا، اسی طرح بدون مطالعہ اور اصول و شرائط کی رعایت و پابندی کے بغیر پڑھنے پڑھانے کی

toobaa-elibrary.blogspot.com

رسم پر اکتفا کرنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ برائے نام عالم اور درحقیقت حصول علم سے محروم اور جہالت و غفلت موتِ روحانی کی بلا میں گرفتار ہوں گے۔ روحانی حیات و ممات کا مسئلہ کچھ ایسا پیچیدہ نہیں، جیسے خود ذاتِ روح کسی کو نظر نہیں آتی مگر پھر بھی اس کا وجود ہر خاص و عام کے نزدیک مسلّم ہے اس کے موجود ہونے میں کبھی شک تو کیا وہم بھی نہیں ہوتا، بات کیا ہے یہی تو ہے کہ روح اگرچہ خود نظر نہیں آتی مگر اس کے لوازم و آثار اس قدر ظاہر و باہر ہیں کہ بداہتہً وجود روح کا ببانگ دہل اعلان کر رہے ہیں تو جیسے کسی جسم میں روح کے موجود ہونے اور اس کے جسم کے ساتھ متعلق ہونے کے آثار ہوتے ہیں، اسی طرح جب کسی جسم سے روح کا تعلق ختم ہوتا ہے تو یہ روح کا جسم سے انقطاع و انعدام بھی اپنے آثار و لوازم سے پہچان لیا جاتا ہے، اجسام و ابدان سے اس تعلق روح کا نام حیات ہے اور انقطاع تعلق کا نام ممات ہے، غرض حیات کے آثار اور ہیں اور موت و ممات کے آثار اور۔

لیکن یہ روح حیوانی اور حیات و ممات حیوانی کا حال ہے تاہم یہاں سے یہ اصول ثابت ہو گیا کہ جب کوئی شئ موجود و باقی ہوتی ہے تو اس کے کچھ لوازم و آثار ضرور ہوتے ہیں اگر وہ آثار و لوازم منعدم ہو جاتے ہیں تو اس شئ کا وجود بھی عدم سے بدل جاتا ہے، اور وہ شئ معدوم اور فنا ہو جاتی ہے، چنانچہ حکماء محققین اور عقلاء کاملین نے فرمایا ہے الشئ اذا اثبت ثبت بلوازمہ و آثارہ و اذا انتفت اللوازم و الآثار انتفی الشئ باسرہ۔

اب یہ ظاہر بلکہ اظہر ہے کہ جیسی کوئی شئ ہوتی ہے ویسی ہی اس میں روح ویسی ہی اس کی حیات و ممات ہوتی ہے، حیوانات صرف جسمانی حیات اور روح حیوانی رکھتے ہیں۔ مگر انسان تمام حیوانات اور جملہ مخلوقات سے اشرف و اعلیٰ، بلند و بالا پیدا فرمایا گیا ہے، ارشاد خداوندی ہے لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ○ اس لئے انسان کے لئے حیوانی روح اور جسمانی حیات کے علاوہ روح انسانی اور حیات روحانی جو حیوانی روح اور حیاتِ حیوانی سے بہت ہی

toobaa-elibrary.blogspot.com

اشرف والطف ہے وہ بھی عطا فرمائی گئی ہے جس کی غذا علم و معرفت ہے اسی غذا سے اس کی صحت و قوت اور بقاء و حیات ہے۔

پس جو انسان علم و معرفت سے بالکل ہی خالی ہے اس میں روح انسانی باقی نہیں، وہ تو محض صورت اور مورت انسانی رکھتا ہے شکل و شباہت اور قد و قامت کے اعتبار سے انسان کہا جاتا ہے، مولانا فرماتے ہیں۔ ؎

گر بصورت آدمی انساں بُدے   احمد و بوجہل ہم یکساں شدے

تو شکل و صورت اور چیز ہے اور آدمیت اور انسانیت اور چیز ہے، آدمیت اور انسانیت سے محروم اور بے بہرہ شخص انسان کہلانے کا مستحق نہیں وہ درحقیقت انسان ہی نہیں وہ تو بصورت انسان ایک حیوان ہے، اس پر مجھے حضرت تھانوی قدس سرہٗ کی ایک بات یاد آئی حضرت فرماتے تھے کہ مناطقہ نے تو انسان کی تعریف حیوان ناطق سے کی ہے مگر میرے نزدیک یہ تعریف صحیح نہیں اس کو تفصیل اور دلیل سے مثبت و مؤید فرمایا اور پھر ارشاد فرمایا اس لئے میرے نزدیک انسان کی صحیح تعریف حیوانِ متفکر ہے۔ جس انسان کو فکر نہ ہو مختلف احتمالات اور متعدد خیالات نہ سوجھیں وہ حقیقتاً انسان نہیں، بس اس کو انسان کہنا ایسا ہی ہے جیسے جنگلی اور بحری مخصوص قسم کے حیوان کو مشاکلۃً مشابہۃً جل مانس، بن مانس کہا جاتا ہے کہ ہیں وہ حیوان ہی مگر ان کے اعضاء اور جسم کی ساخت انسانی جسم و اعضاء کے مثل ہونے سے مماثلت صوری کی وجہ سے ان پر مانس کا اطلاق کیا جاتا ہے معلوم ہوا کہ علم و فکر کے بغیر انسانیت نہیں آتی یہی انسانیت کا مبدأ اور اصل ہے چنانچہ کسی کا قول ہے ؎

علم ہی سے انسان انسان ہے   اسے جو نہ سیکھے وہ حیوان ہے
فکر ہی سے انسان انسان ہے   جو بے فکر ہووے وہ حیوان ہے

حیوان کی زندگی اور اس کے مشاغل دیکھ لیجئے اس کے اعضاء آنکھ، کان، منھ ہاتھ پاؤں وغیرہ پر اس کی طبیعت کی حکومت چلتی ہے، ہر وقت جسمانی مادی افعال و حرکات کا اس سے ظہور ہوتا ہے، ٹھیک اسی طرح بے علم بے فکر جاہل

toobaa-elibrary.blogspot.com

وغافل انسان جسمانی اور مادی افعال وحرکات اور طبعی ونفسانی داعیات وتقاضات کا صدور کرتا ہوتا ہے اس کو علمی، عرفانی انسانی کام کی ہوا بھی نہیں لگتی، تو ایسے انسان میں اور حیوان میں سوائے شکل وصورت کے کیا فرق ہوا کچھ بھی نہیں، لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ - يَأْكُلُونَ كَمَا تَأْكُلُ الْأَنْعَامُ بلکہ ایسا انسان تو چوپایوں، حیوانوں سے بھی بدتر اور گیا گذرا ہے اس لئے کہ حیوانات تو فطرت اور صنعتِ الٰہی کے مطابق زندگی گذارتے ہیں، مگر یہ انسان جہل وغفلت اختیار کرکے فطرت الٰہیہ اور تخلیق باری تعالیٰ کے خلاف چلتا ہے تخلیق انسانی کا مقصد حق تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا ہے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ جلالین میں لِيَعْبُدُونِ کی تفسیر لِيَعْرِفُونِ فرمائی ہے معلوم ہوا کہ انسان سے غرض معرفت وعبادت ہے، پس جاہل وغافل انسان جہل وغفلت اختیار کرکے منشاء حق اور فطرتِ الٰہی کو بگاڑتا اور کھوتا ہے اور قلب وعقل جیسے انمول اور شاندار موتی اور جوہر آبدار کی بے قدری اور بے رونقی وبے نوری کرتا ہے مولانا فرماتے ہیں ؎

حرص وشہوت عقل را احمق کند　　قلب را بے نور و بے رونق کند

اس لئے محض جاہل وغافل انسان حیوانات سے بھی بدتر ہے، حق تعالیٰ کا ارشاد ہے، بَلْ هُمْ أَضَلُّ أُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ۔

اس سے بخوبی ثابت ہوگیا کہ غفلت وبے فکری اور جہالت وبے علمی کس قدر بُری اور بدترین چیز ہے اس لئے غور وفکر اور پوری محنت اور صحیح کوشش اور سعی کامل کے ساتھ علم ومعرفت میں لگنا اور لگے رہنا ضروری ہے کہ اسی سے روح انسانی حیاتِ روحانی قائم ہے اس کے بغیر رہنا موت روحانی ہے روح انسانی کی ہلاکت اور تباہی ہے

امام بخاریؒ کے طرز سے مطالعہ پر دلالت

اسی غور وفکر کا دوسرا نام مطالعہ ہے، مطالعہ اور غور وفکر ہی سے مخفیات کا انکشاف اور ظہور ہوتا ہے اور غور وفکر کرنے اور کرتے رہنے

toobaa-elibrary.blogspot.com

سے بہت جلد اور بہت زیادہ ترقی حاصل ہوتی ہے، اسی وجہ سے امام بخاریؒ نے ترجمۂ باب اس طور سے قائم فرمایا اور ایسا عنوان اختیار کیا کہ بخاری پڑھنے اور پڑھانے والا لامحالہ غور و فکر پر مجبور ہو۔

باب ہذا کی آخریت

سو غور کرنے سے اس باب کو آخر کتاب میں لانے کی یہ وجہ معلوم ہوتی ہے کہ جب انسان کا وجود ہوا تو اس تخلیق انسانی کے بعد ضروری ہوا کہ ذاتِ انسانی مخلوق مکلف کا ذاتِ باری خالق برتر کے ساتھ رابطہ قائم ہو اس کے لئے کسی واسطہ کا ہونا ضروری تھا، چونکہ براہِ راست تعلق محال تھا کہ انسان حادث اور خالق تعالیٰ قدیم، اور حادث و قدیم میں کوئی مناسبت نہیں، دونوں کے درمیان بونِ بعید ہے، اس لئے واسطہ ہونا اور ایسا ہونا ضروری تھا جو ذو شائبین اور ذو وجہین ہو قدیم بھی ہو اور حادث کے ساتھ اپنے ظاہر سے مناسبت قریبہ بھی رکھتا ہو۔

دوسرا عنوان

بعنوان دیگر واسطہ اور رابطہ ہونا اس لئے بھی ضروری تھا کہ وجود انسانی وجود ظلی ہے اور ذاتِ باری تعالیٰ کا وجود اصلی ہے اور وجود ظلی وجود اصلی اور وجود حقیقی کا محتاج اور تابع ہوتا ہے اس لئے وجود اصلی و حقیقی کے ساتھ تعلق و رابطہ ضروری و لازم تھا اس لئے ذاتِ حق کا وصفِ ذاتی جو کلام نفسی ہے اور کلام قدیم ہے اس کو لباس الفاظ وصفِ حادث کے ساتھ اس انسان کی طرف نازل فرمایا، اسی کلام نفسی بصورت کلام لفظی نازل شدہ کا نام اصطلاح شریعت میں وحی ہے، پس اس وحی کا تعلق انسان کے ساتھ ضروری تھا تاکہ ربط عبد بالمعبود ہو، اس سے معلوم ہوا کہ وجود انسانی کے بعد بقاء انسانی کے لئے سب سے اول وحی کا ہونا ضروری ہے جب تک حق تعالیٰ کے ساتھ اس عالم دنیا کو انسان کے واسطہ سے اور انسان کو وحی کے واسطہ سے تعلق رہے گا تو دنیا قائم رہے گی، جب یہ تعلق ختم ہو جائے گا تو یہ عالم دنیا بھی موت اور فنا کے گھاٹ اتر جائے گا۔ چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے لا تقوم الساعۃ علی احد

toobaa-elibrary.blogspot.com

یقول اللہ اللہ۔ ایک اللہ والا بھی دنیا میں قائم رہے گا تو قیامت قائم نہ ہوگی یعنی دنیا کی موت واقع نہیں ہوگی جب تک اللہ اللہ کرنے والا یعنی وحدانیت کا قائل، موحدِ کامل، توحید پرست ذاتِ احد کے ساتھ مرتبط، احدیت، الوہیت سے تعلق رکھنے والا دنیا میں موجود رہے گا۔

الحاصل ذاتِ انسان کے بقاء اور وجود کے لئے اس عالم میں سب سے اول وحی کا ہونا ضروری تھا، اس لئے امام بخاریؒ نے بھی اپنی کتاب کے وجود کے لئے سب سے اول وحی کا تعلق قائم فرمایا اور وحی کا بیان اول کتاب میں ثبت فرمایا تو جس طرح ابتدائی اور اولی شئے کو ابتداء کتاب اول کتاب میں لائے اسی طرح مناسب تھا کہ آخر کتاب میں آخری شئی کو لائیں۔

سو جب انسان کے وجود ناسوتی اور اس کی بقاء وحیاتِ ثانیہ کے ساتھ وحی کا تعلق رہا تو اس تعلق کا اثر جو کہ انسان کے اس وجود عارضی کے زوال وختم اور آخر میں ظاہر ہوگا اور وہ ابدی ودائمی چیز کے ساتھ تعلق رکھنے والے اور متعلق ہونے والے کا ابدی ہو جانا ہے، اس لئے اس تعلق وحی ربانی کا اثر انسان کے اس وجود فانی کے فناء اور ختم پر وجود دائمی وابدی اور حیاتِ فانیہ کے ختم پر حیات باقیہ ابدیہ کا حاصل ہونا اور مل جانا ہے۔

لیکن اس عالم فانی، دنیا میں کلام الٰہی وحی الٰہی کے ساتھ جس نے جیسا تعلق رکھا ہوگا ویسا ہی اس کا اثر ظہور پذیر ہوگا، جس نے اس کے ساتھ اعراض، انکار اور تکذیب کا بے قدری کا معاملہ کیا ہوگا اس کے لئے راحت وعزت، عیش ولذت سے اعراض وانکار اور گوناگوں عذابات کی سزائیں اور تکلیفیں ہوں گی۔

اور جس نے تسلیم واختیار، امتثال احکامات کا تعلق رکھا ہوگا اس کو عیش وعشرت فرحت ولذت، راحت وعزت اور ہر قسم کے درد ورنج، غم والم، بلاء وآفت حیرانی وپریشانی سے نجات اور نوع بنوع اکرامات وانعامات کا حصول ہوگا پھر جس درجہ تسلیم وتصدیق، امتثال واختیار کیا ہوگا اسی درجہ یہ چیزیں ملیں گی، اسی طرح

toobaa-elibrary.blogspot.com

تفاوتِ عذابات معرضین و منکرین، ظالمین مکذبین حسب تفاوتِ سیئات ہوگا۔

اس فرق و امتیاز کے اعلان و اظہار کے لئے وزن اعمال ہوگا جو کہ یوم القیامۃ ہوگا اور یوم القیامہ آخر ہے، اس لئے امام بخاریؒ نے اس آخری چیز ترتب ثمرات کو التزامی دلالت اور اس کے مقدمہ و موقوف علیہ وزن اعمال کی صراحت کے ساتھ آخر کتاب میں ذکر فرمایا۔ تو اولی چیز کو اول کتاب میں اور جو آخری چیز تھی اس کو آخر کتاب میں بیان فرمایا۔ پس امام بخاریؒ نے اپنی کتاب کے فاتحہ اور خاتمہ، ابتداء اور انتہاء میں کمال کر دیا، نہایت عجیب و غریب اور طور بدیع، حیرت انگیز نہج اختیار فرمایا، جو مبدأ الانسان تھا یعنی وحی اس کو ابتداء کتاب میں لائے اور جو منتہائے انسان تھا یعنی ثمرہ یوزن اعمال اس کو آخر میں لائے۔

تیسرا عنوان

تیسرے عنوان سے یوں کہا جاسکتا ہے کہ اس باب کو اخیر میں لانے کی یہ وجہ ہو سکتی ہے کہ عالم دو ہیں، عالم دنیا، عالم آخرت، عالم دنیا عالم آخرت کے لئے بمنزلہ کھیتی ہے ارشاد نبوی ہے الدنیا مزرعۃ الآخرۃ اور کھیتی عمل کی جگہ اور عمل کو مقتضی ہوتی ہے، پس عالم دنیا مقام عمل ہے اس لئے یہاں تمام انسان اعمال سے تعلق رکھتے ہیں خواہ اعمال ظاہرہ ہوں یا اعمال باطنہ متعلق باللسان و بالجوارح ہوں یا متعلق بالقلب، بہر حال کسی نہ کسی عمل میں انسان ہر وقت لگا رہتا ہے اور جس طرح ہر شئی کی ایک صورت ہوتی ہے اور ایک حقیقت ایک ظاہر ہوتا ہے ایک باطن، ایک اس کا نقشہ اور ڈھانچہ اور جسم ہوتا ہے ایک اس کی حقیقت اور روح اور جان ہوتی ہے، اسی طرح اعمال کے بھی خاکے اور نقشے ہیں اور ان کی حقیقت اور روح بھی، اعمال کی روح اور جان نیت اور اخلاص ہے۔

پس بدوں نیت کے اعمال کا وجود ہی نہ ہوگا، اور اگر ظاہراً کچھ ہوا بھی تو بدوں اخلاص نیت ان میں روح اور جان نہ ہوگی، اعمال مردہ، بے جان ہوں گے، اور مردہ چیز کہیں بھی پسند اور قبول نہیں ہوا اس لئے ایسے اعمال حق تعالیٰ کے نزدیک قبول نہ ہوں گے ان پر ثواب اور قرب و رضا کا ترتب نہ ہوگا۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

تفاوتِ عذابات معرضین و منکرین، ظالمین مکذبین حسب تفاوتِ مسیئات ہوگا۔

اس فرق و امتیاز کے اعلان و اظہار کے لیے وزن اعمال ہوگا جو کہ یوم القیامۃ ہوگا اور یوم القیامہ آخر ہے، اس لئے امام بخاریؒ نے اس آخری چیز ترتب ثمرات کو التزامی دلالت اور اس کے مقدمہ و موقوف علیہ وزن اعمال کی صراحت کے ساتھ آخر کتاب میں ذکر فرمایا۔ تو اولی چیز کو اول کتاب میں اور جو آخری چیز تھی اس کو آخر کتاب میں بیان فرمایا۔ پس امام بخاریؒ نے اپنی کتاب کے فاتحہ اور خاتمہ، ابتداء اور انتہاء میں کمال کر دیا، نہایت عجیب و غریب اور طور بدیع، حیرت انگیز نہج اختیار فرمایا، جو مبدأ الانسان تھا یعنی وحی اس کو ابتداء کتاب میں لائے اور جو منتہائے انسان تھا یعنی ثمرہ یوزن اعمال اس کو آخر میں لائے۔

تیسرا عنوان

تیسرے عنوان سے یوں کہا جاسکتا ہے کہ اس باب کو اخیر میں لانے کی یہ وجہ ہو سکتی ہے کہ عالم دو ہیں، عالم دنیا، عالم آخرت، عالم دنیا عالم آخرت کے لیے بمنزلہ کھیتی ہے ارشاد نبوی ہے الدنیا مزرعۃ الآخرۃ اور کھیتی عمل کی جگہ اور عمل کو مقتضی ہوتی ہے، پس عالم دنیا مقام عمل ہے اس لئے یہاں تمام انسان اعمال سے تعلق رکھتے ہیں خواہ اعمال ظاہرہ ہوں یا اعمال باطنہ متعلق باللسان و بالجوارح ہوں یا متعلق بالقلب، بہر حال کسی نہ کسی عمل میں انسان ہر وقت لگا رہتا ہے اور جس طرح ہر شئی کی ایک صورت ہوتی ہے اور ایک حقیقت ایک ظاہر ہوتا ہے ایک باطن، ایک اس کا نقشہ اور ڈھانچہ اور جسم ہوتا ہے ایک اس کی حقیقت اور روح اور جان ہوتی ہے، اسی طرح اعمال کے بھی خاکے اور نقشے ہیں اور ان کی حقیقت اور روح بھی، اعمال کی روح اور جان نیت اور اخلاص ہے۔

پس بدوں نیت کے اعمال کا وجود ہی نہ ہوگا، اور اگر ظاہراً کچھ ہوا بھی تو بدوں اخلاص نیت ان میں روح اور جان نہ ہوگی، اعمال مردہ، بے جان ہوں گے، اور مردہ چیز کہیں بھی پسند اور قبول نہیں ہوا اس لئے ایسے اعمال حق تعالیٰ کے نزدیک قبول نہ ہوں گے ان پر تو اب اور قرب و رضا کا ترتب نہ ہوگا۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

اس سے معلوم ہوا کہ اعمال کا مبنیٰ اور مبدأ اور اعمال کا دار و مدار تصحیح نیت اور اخلاص ہے اور ہر عمل کا کچھ نہ کچھ ثمرہ اور نتیجہ ہوتا ہے جو کہ اس عمل سے مقصود اور مطلوب ہوتا ہے بغیر ثمرہ عمل لغو سمجھا جاتا ہے اور لغو ہی ہوتا ہے جیسے ملازمت ایک عمل ہے، جس کا ثمرہ تنخواہ ہے اگر کسی کو تنخواہ نہ ملے تو ملازمت اور محنت ضائع اور بیکار، رائگاں ہوگی، چنانچہ تنخواہ کی توقع بغیر ملازمت نہیں ہو سکتی، اسی طرح اعمال شرعیہ پر کوئی ثمرہ مرتب نہ ہو تو سب لغو ہو جائیں گے، لہذا ہر عمل کے لئے ثمرہ ہونا ضروری ہے۔

غرض ہر عمل کا ایک مبدأ ہوتا ہے اور ایک منتہا، تو مبدا اعمال نیت اور اخلاص ہے اور منتہائے اعمال ثمرات اور ان اعمال کے نتائج ہیں۔

امام بخاریؒ نے مبدا اعمال کو ابتدا کتاب میں جو کہ وہ اخلاص ہے بیان فرمایا اور منتہائے اعمال کو یعنی ثمرات کو، وزن اعمال انتہائے کتاب میں آخر میں بیان فرمایا، لیکن اپنی عادت کے موافق صراحت کے بجائے کنایت اور مطابقت کے بجائے التزامیت اختیار فرمائی، جس کی تفصیل یہ ہے کہ مبدا اور مدار اعمال نیت اور اخلاص ہے جو کہ ایک امر مخفی ہے اور باطنی چیز ہے، اس لئے ایسی چیز پر کوئی حکم لگانا ایک بہت بڑا دعویٰ ہے جو محتاجِ ثبوت ہے، جس کے لئے قابل اعتبار ہونے، لائق قبول اور واجب الیقین ہونے کے لئے دلیلِ محکم اور برہانِ قوی و اقوی پیش کرنا ضروری اور لازمِ دعویٰ ہوتا ہے۔ اس لئے اس دعویٰ کو بیان کرنے سے پیشتر اس کی دلیل لائے تاکہ تردد اور بے اعتباری کی اول وہلہ ہی جڑ کٹ جائے شک و شبہ کا راستہ ہی بند ہو جائے، مجال انکار ہی نہ ملے انکار کی مجال ہی ختم ہو جائے اور تسلیم دعویٰ لازم اور لابدی ہو جائے اور بدون یقین چارہ نہ رہے۔

اس لئے وحی کا باب اول ترین سب سے پہلے قائم فرمایا اور آیت انا اوحینا الخ کو دلیل ٹھہرایا، اس بناء پر انما الاعمال بالنیات کے ساتھ بیان وحی اور آیت شریفہ کو مقرون اور اپنی کتاب بخاری شریف کو اس کے ساتھ مشحون فرمایا اور اس کے بعد پوری کتاب میں اعمال بیان فرماتے رہے حتیٰ کہ پھر آخر کتاب کے وقت منتہائے

toobaa-elibrary.blogspot.com

اعمال یعنی ثمراتِ اعمال اور نتائج اعمال کو ذکر فرماتے ہیں مگر ثمرات اور نتائج حسبِ اعمال ہوں گے، اس لئے تفاوتِ اعمال کے لئے پہلے اعمال کے حساب کتاب، جانچ پرتال کے لئے وزن اعمال ضروری ہے، اس طرح وزن اعمال ثمراتِ اعمال کے لئے تمہید و مقدمہ اور موقوف علیہ ٹھہرا جس کی صراحت فرما کر ثمرات کو کنایت و التزامیت کے ساتھ ذکر فرمایا اور ثمرات کا محل و مقام عالم آخرت ہے تو آخرت کا بھی ذکر ہو گیا۔

غرض شروع کتاب سے یہاں تک پوری کتاب میں ان چیزوں کو بیان فرمایا جو اس عالم دنیا کی حیات میں کفن دفن تک متعلق ہوتے ہیں، اب آخر کتاب میں آخر حیاتِ انسانی سے جس چیز کا تعلق ہوگا اس کو بیان فرما دیا یعنی ثمراتِ اعمال کا ترتب اور ثمرات اعمال کے مطابق ہوں گے، اس لئے حسبِ تفاوت اعمال تفاوتِ ثمرات ہوگا، اور یہ تفاوت اعمال حسنہ و سیئہ کا وزن سے ظاہر ہوگا، اس لئے اعمال وزن کئے جائیں گے تاکہ حق تعالیٰ کا عدل و فضل پورے طور سے بندوں پر ظاہر ہو جائے اور حق تعالیٰ کے ساتھ سوء ظنی کی گنجائش اور موقعہ کسی کو کسی طرح بھی نہ ہو سکے۔

بہر حال وزن اعمال کا ترجمہ قائم کر کے ثمراتِ اعمال اور ثمرات کا محل و مقام جو کہ آخر حیاتِ انسانی سے وابستہ ہے آخر کتاب میں ذکر فرمایا، تو اول اعمال کو اول کتاب میں اور آخر اعمال کو آخر کتاب میں ذکر فرما کر مبدأ اور منتہا میں عجیب موزونیت و مناسبت پیش فرما دی۔

چوتھا عنوان

یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ اس باب کو آخر کتاب میں لانے کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ ہر عمل کی ایک ابتدا ہوتی ہے اور ایک انتہا اور کسی شے کی انتہاء وہ اس کی علت غائیہ ہوا کرتی ہے اسی کو علت باعثہ بھی کہا جاتا ہے اس لئے کہ یہی کسی کام کے لئے آمادہ اور تیار کرتی ہے کرنے کے لئے ابھارتی اور برانگیختہ کرتی ہے، چنانچہ جب تک ذہن میں کسی کام کی غرض و غایت نہیں، اس وقت تک طبیعت میں امنگ اور اس کام کے لئے ابھار پیدا نہیں ہوتا، اسی غرض و غایت فعل کو منشاء فعل کہتے ہیں، اس لئے کہ کسی کام کی طلب اسی سے پیدا ہوتی ہے، گویا فعل پیدا

toobaa-elibrary.blogspot.com

کرنے کی یہی جگہ ہے۔

بہر حال خواہ اس کو علتِ غائیہ کہا جائے خواہ علتِ باعثہ غرض فعل نام رکھا جائے یا منشاء فعل اسکا وجود معنیٰ وذہناً تو مقدم ہوتا ہے اور خارجاً موخر، بدوں اس علتِ غائیہ اور غرض و منشاء کے بغیر کسی کام کو کرنا ایک لغو حرکت اور فعل عبث اور فضول ہے، اس چیز کا وجود جیسے ہم کو انسانی اقوال واعمال میں افعال واحوال میں نظر آتا ہے کہ کسی انسان کا فعل غرض وغایت اور منشاء کے بغیر اور غرض سے خالی نہیں ہو سکتا، ورنہ محض فضول اور لغو وعبث حرکت ہوگی جو دیوانوں اور مجنونوں پاگلوں کا کام ہوتا ہے جب ادنیٰ سی سمجھ اور عقل والے انسان کا کوئی فعل غرض و منشاء سے خالی نہیں ہو سکتا تو حق تعالیٰ جو حکیم علی الاطلاق ہیں ان کا کوئی کام بغیر حکمت و مصلحت و بے فائدہ کیسے اور کیوں کر ہو سکتا ہے، ضرور بالضرور ان کا ہر حکم با حکمت بلکہ پر حکمت اور مصلحت بھرا اور سراسر پُر فائدہ ہوتا ہے اس قال وخیالی والوں کی خود حق سبحانہ تعالیٰ تعریف اور خوبی بیان فرماتے ہیں، ایسوں کو اللہ تعالیٰ عقلمند اور سمجھ بوجھ والے قرار دیتے ہیں، چنانچہ اولوالالباب واصحاب عقل اہل فہم بیان فرماکر ان کے اوصاف اور بعض احوال واقوال بیان فرماتے ہوئے ان کے قول رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا کو بھی ذکر فرمایا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ حق تعالیٰ کے افعال کے با حکمت اور پُر از فائدہ ہونے کا اقرار واظہار کرتے ہیں، کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار آپ نے آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ بھی کیا ہے اور جس چیز کو بھی پیدا فرمایا ہے وہ باطل، بے کار، بے فائدہ حکمت سے عاری، مصلحت سے خالی عبث پیدا نہیں فرمایا، یعنی تمام عجائباتِ قدرت میں اور مصلحتوں کے ساتھ ساتھ کلی اور عمومی ومجموعی بہت بڑا بادقعت فائدہ اور عظیم حکمت اور نہایت اونچی مصلحت یہ رکھی ہے کہ جملہ کائنات اور تمام مخلوقات آپ کے کمالات پر دال ہیں، سارا عالم آپ کی معرفت کا نشان اور آپ کی عظمت ومحبت کا سامان ہے

اس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا ہر فعل ضرور کسی غرض ومنشاء اور کچھ نہ کچھ حکمت ومصلحت پر مبنی ہوتا ہے لیکن یہ فائدہ ومصلحت ان کی ذاتِ عالیہ کا ہرگز نہیں، اسی

toobaa-elibrary.blogspot.com

وجہ اور اسی جہت سے یہ کہنا اپنی جگہ پر صحیح ہے کہ حق تعالیٰ کے افعال معلل بالاغراض نہیں ہوتے، یعنی اپنی ذات کے اندر اغراض نہیں رکھتے مطلقاً غرض وغایت کی نفی مراد نہیں ہوسکتی وہ تو ایک نقص عظیم ہوگا جس کی نفی ضروری ہے جیسا کہ کافی طور سے ثابت کر دیا گیا بہرحال حق تعالیٰ کا فعل ذاتی غرض نہیں رکھتا، چونکہ وہ غنی بالذات ہیں کسی شئی سے فائدہ اور نفع حاصل کرنے کی قطعاً شمہ برابر بھی ان کو حاجت و افتقار نہیں، اَللّٰہُ الصَّمَدُ کا یہی مطلب ہے، اور مطلقاً بے فائدہ اور خالی از حکمت بھی ان کا کوئی کام نہیں ہوتا کہ وہ زبردست حکمت کے مالک ہیں اور فعل الحکیم لا یخلو عن الحکمۃ حکیم کا کوئی بھی کام خلاف مصلحت خالی از حکمت نہیں ہوا کرتا، اس لئے لامحالہ یہ کہنا اور ماننا پڑے گا کہ اپنی ذاتی غرض ذاتی فائدہ ان کے کسی کام میں نہیں ہوتا، سراسر مخلوق ہی کا فائدہ اور انہیں کی مصلحت ہوتی ہے کیا خوب کسی نے اس کو نظم کیا ہے۔ ؎

من نہ کردم خلق تا سودے کنم بلکہ تا بر بندگان جودے کنم

جب یہ ثابت اور واضح ہو گیا تو اب یہ خود بخود آشکارا اور منکشف ہو گیا کہ لامحالہ عالم کی تخلیق بے فائدہ اور بغیر منشاء ہرگز نہیں ہوسکتی یہ سارا عالم پوری کائنات اور مخلوقات بالخصوص انسانوں کے طبقات تمام بنی آدم، ہر ایک اپنی الگ الگ مصلحت اور غرض کے ساتھ پیدا کیا گیا، چنانچہ عالم کی کثیر در کثیر بیشمار خلقت الگ الگ نوع فائدہ اور غرض کے ساتھ مربوط اور وابستہ ہونے کے ساتھ ساتھ آخر الامر انسان کی مصلحت خدمت اور اسی کے فائدہ اور اس کی غرض کی تکمیل و تتمیم پر پہنچ کر منتہی ہوتی ہے، سب کی سب انسان کی خدمتگذاری انجام دیتی ہے انسان سب کا سردار سب سے اشرف و اعلیٰ سب پر فائق ہے، گویا انسان پوری کائنات میں شہزادہ کی حیثیت رکھتا ہے اور ساری مخلوقات بڑی چھوٹی اس کی رعیت اور بیگاری ہے، یہ سب کا حاکم اور سب اس کے محکوم ہیں۔

اس سے یہ بات نکل آئی کہ ہر بڑی چھوٹی چیز تمام مخلوقات کی غرض وغایت آخر کار حضرت انسان کی خدمت ہے اسی کو وَسَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي السَّمٰوٰتِ

toobaa-elibrary.blogspot.com

وَمَا فِی الْاَرْضِ میں بیان فرمایا ہے، تو انسان سب سے اشرف و اعلیٰ ہے، اس سے مقصد اور غرض بھی ظاہر ہے کہ اعلیٰ ترین نہایت برتر ہونا چاہیئے، مخلوقات تو سب اس سے نیچے اور کم درجہ میں ہے اور وہ سب خود اسی کے کام آگئی۔

اب سوائے خالق کے اور کوئی چیز باقی نہیں رہی، وہی اعلیٰ اور برتر اور نہایت بلکہ بے نہایت بڑائی اور اونچائی کی شان والا ہے، لامحالہ حضرت انسان اسی خالق الکل اور مالک الکل کے لئے اسی کی خدمت عبادت و معرفت کے لئے پیدا ہوا ہے تو یہ بات روز روشن اور کالشمس فی نصف النہار کی طرح بالکل صاف اور بے غبار ہوگئی کہ انسان صرف حق تعالیٰ کی عبادت اور معرفت کے لئے پیدا فرمایا گیا ہے جیسا کہ خود حضرت حق سبحانہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ ○ اور تفسیر اس کی جلالین شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ ترجمان القرآن جن کا لقب ہے ان سے لیعرفون کے ساتھ منقول ہے، اس آیت میں حصر کے ساتھ غرض تخلیق انسان بیان فرمائی ہے کہ انسان بس اللہ تعالیٰ کی معرفت کے لئے پیدا فرمایا گیا مگر دعویٰ معرفت بغیر عبادت معتبر نہیں، عبادت معرفت حق کے لئے نشان اور معرفت کا اثر لازم ہے اور یہ پہلے معلوم ہو چکا کہ وجود شئی جب معتبر اور معتد بہ قابل شمار ہوتا ہے جب اس کے لوازم و آثار بھی اس کے ساتھ ہوں، پس بدوں عبادت معرفت غیر معتبر ہے غیر معتد بہ ہے لائق قبول نہیں، اس لئے معرفت کے لازم، عبادت کو ذکر فرمایا، اور مراد معرفت کو لیا جو عبادت کے لئے ملزوم ہے۔

بہر حال تخلیق انسانی کی اصلی غرض اور مقصود اصلی معرفت و عبادت ہے اور اس کے ماسوا، ماکولات، مشروبات، ملبوسات وغیرہ تمام انسانی مصرف سے بلاواسطہ یا بالواسطہ متعلقات، عبادت و معرفت میں ممد و معاون ہونے کی وجہ سے بقدر مراتب اور حسب درجات مقصود بالغیر ہو کر ان کے کسب اور ان سے تعلق کی اجازت ہے تو آپ کو معلوم ہو گیا کہ تخلیق انسانی سے مقصود اور غرض عبادت و معرفت ہے مگر ظاہر ہے کہ اس سے بھی اسی کا فائدہ اور اس کا ہی نفع ہے کہ دنیا میں

toobaa-elibrary.blogspot.com

عبادت و معرفت سے مزید اور پاکیزہ زندگی ملتی ہے، اطمینان و سکون کی دولت سے فیض یاب ہوتا ہے، اور آخرت میں اسی پر خوب خوب فضل و کرم کی گوناگوں، لامحدود اور بے انتہا ابدالآباد تک موسلا دھار پیہم و لگاتار بارشوں کے مانند بے حساب نعمتیں نثار اور نچھاور ہوں گی، چنانچہ ارشاد ہے وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ يُرْزَقُونَ فِيهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ ○

اب ثابت ہو گیا کہ انسان یوں ہی جانوروں کی طرح تکلیفی و عبادتی احکام و اعمال سے آزاد، مطلق العنان، بے قید و بند، بے محابا کھانے اور چرنے نفسانی حیوانی جسمانی حرکات و افعال کر کے ختم ہو جانے اور کسی جزا و سزا کا معاملہ کئے بغیر رہ جانے دوبارہ زندہ نہ کئے جانے کے لئے مہمل و بیکار نہیں چھوڑا گیا، ارشاد باری تعالیٰ ہے أَيَحْسَبُ الْإِنْسَانُ أَنْ يُتْرَكَ سُدًى ○ نیز إِنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ أَكَادُ أُخْفِيهَا لِتُجْزَىٰ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعَىٰ ○

الغرض انسان اتباع احکام اور اعمال کا مکلف بنایا گیا ہے مگر عمل اس وقت تک معتبر نہ ہوگا جب تک عمل میں اخلاص نہ ہوگا، تو عقل بلوغ سے انسان کی ابتدا عمل کے ساتھ ہوئی اور عمل عند اللہ بدون اخلاص معتبر و مقبول نہیں ثواب و ثمرہ کے قابل نہیں، جب انسان مکلف کی ابتدا عمل کے ساتھ اور قبول عمل کی شرط اخلاص ہوئی تو امام بخاریؒ نے ابتدائی چیز اخلاص کو اپنی کتاب کی ابتدا میں ذکر فرمایا، پھر ہر عمل کی کوئی غرض و غایت ہوتی ہے اور وہ عمل کے ثمرات اور ان کی جزا سزا کا ہونا ہے اس جزا سزا کے مابین فرق و تفاوت ہوگا، جزا سزا کے درجات متفاوت ہوں گے ان سب امور کے لئے اعمال کی جانچ پڑتال ہوگی جو وزن اعمال پر موقوف ہے اس لئے امام بخاریؒ نے ختم کتاب اور آخر میں وزن اعمال کا باب قائم فرمایا اور انسان کی ابتدا بالتکلیف یعنی عمل اخلاص کو ابتدا کتاب میں اور اس کے اعمال کی انتہا اور اخیر کو اپنی کتاب کے اخیر میں لائے، مگر چونکہ جزا و سزا کا ترتب وزن اعمال کے بعد ہوگا،

toobaa-elibrary.blogspot.com

اس لئے وزن اعمال کو نصاً ذکر فرما کر جزا سزا کو دلالۃً بیان فرمایا، تو جو چیز اول تھی اس کو اول کتاب میں اور جو آخری چیز تھی اس کو آخر میں لاکر ابتدا، اور انتہا، میں نہایت موزونیت اور مناسبت کی رعایت سے کام لیا فجزاہ اللہ عنا وعن سائر المسلمین اجمعین، یہ پہلی بحث تھی کہ اس باب کو آخر میں کیوں لائے۔ الحمد للہ علیٰ احسانہ وتوفیقہ اس کی وجہ آپ حضرات کو معلوم ہوگئی، اب دوسری بحث کا بیان شروع ہوتا ہے بغور سنئے۔

دوسری بحث وزن اعمال کی حکمت

دوسری بحث، سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تو عالم الغیب والشہادہ ہیں، ان کا علم تو ہر شئی کو محیط ہے، پھر اقوال اعمال کے وزن کرنے کی بات سمجھ میں نہیں آتی، وزن تو مقدار معلوم کرنے کے لئے ہوتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی جناب میں یہ بات نہیں کہ معلوم کرنے کے لئے وزن اور وضع میزان فرمائیں، چونکہ حق تعالیٰ سب کے سیئات حسنات کو جانتے ہیں ان کے علم کی تو یہ شان ہے کہ جیسا کسی شئی کے موجود ہونے کے بعد ان کا علم ہوتا ہے اس شئی کے وجود کے قبل بھی ویسا ہی علم ہوتا ہے ان کا علم کامل اور مکمل صحیح اور واقعی ہے، جس میں ذرا تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا، کسی قسم کا خلل و نقصان کا شمہ و شائبہ بھی ان کے علم میں نہیں ہو سکتا، پھر میزان قائم کرنے اور وزن فرمانے کی کیا ضرورت ہے؟

جہل کی مذمت

اس وضع میزان اور وزن اعمال سے تو یہ لازم آتا ہے کہ پہلے نعوذ باللہ تعالیٰ خدا تعالیٰ کو اعمال واقوال عباد معلوم نہیں تھے اور یہ جہل ہے جس سے بڑھ کر کوئی عیب نہیں، اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے زمانہ کو جس میں ہر قسم کے عیوب اور برائیاں اور اشد ترین خباثت اور گندگیاں عام و تام اور شائع ذائع تھیں، اس زمانہ کو جہالت ہی کے ساتھ موسوم کیا جاتا ہے، اس کے تعارف کے لئے مکمل اور پوری تعبیر زمانہ جاہلیت ہی قرار دی گئی۔ چونکہ یہ لفظ تمام عیوب کو شامل اور سب برائیوں کا جامع

toobaa-elibrary.blogspot.com

اور کل بیہودگیوں پر دال بلکہ ادل اور اجمع و اشمل ہے۔ اس لفظ کے سوا کوئی دوسرا لفظ اس زمانہ کے حالات پر دال نہیں ہو سکتا تھا، دوسرے الفاظ تو خاص خاص عیب پر ہی دلالت کرتے ہیں، پس اگر کسی اور لفظ سے اس زمانہ کو موسوم کیا جاتا تو پورے کوائف و حالات کا تعارف اس سے نہ ہوتا۔

اس سے ثابت ہوا کہ جہل و جہالت بہت بڑا نقصان اور نہایت برا اور گندہ عیب ہے، اسی لئے صاحب جہل کا گناہ جہل اور جرم جہالت ہر وقت اس کے نامۂ اعمال میں لکھا جاتا رہتا ہے حتیٰ کہ کسی فعل مباح بلکہ اس سے بڑھ کر فعل طاعت کے وقت بھی حسب عمل اجر و ثواب کے ساتھ جہالت کا گناہ بھی اس کے نامۂ اعمال میں سلسل لکھا جاتا درج کیا جاتا رہتا ہے۔ اور کیوں نہ ہو یہ جہالت ہی تو کفر و شرک اخبث الخبائث اور تکبر جیسے ام الخبائث، اصل کفر و شرک کا منبع اور مادہ اور جڑ اور بنیاد ہے، اسی واسطے نصوص قرآن و احادیث میں بکثرت جاہل کی مذمت وارد ہوئی ہے اور اس کے برعکس صاحب علم کی عالم کی مدحت فضیلت بڑھ چڑھ کر بیان فرمائی گئی۔

ایک غلطی کا ازالہ

یہاں ایک مغالطہ اور دھوکہ ہو سکتا ہے وہ یہ کہ صرف عربی کتابیں پڑھ لینے والے کو علم والا، عالم اور نہ پڑھنے والا، بے علم اور جاہل سمجھ لیا جاتا ہے سو ایسا ہرگز نہیں احادیث و آیات میں عالم و جاہل کا جہاں جہاں ذکر ہے عالم کے فضائل جاہل کے قبائح سے تعرض فرمایا گیا ہے وہاں ہماری اصطلاح ملحوظ نہیں، اصطلاحی عالم، اصطلاحی جاہل وہاں مراد نہیں ہیں۔

بلکہ وہاں عالم سے مراد یہ ہے کہ علم حاصل کرلے خواہ کسی بھی طریقہ سے ہو، عربی فارسی کتابیں پڑھ کر، یا اردو کتب دینیہ پڑھ کر یا سن کر ہو، یا علماء کاملین کی خدمت و صحبت میں رہ کر ہو، یا وقتاً فوقتاً ان سے زبانی پوچھ پاچھ کر ہو۔

بہر حال جس طرح بھی ہو سکے علم دین، علم شریعت حاصل کرلے بس عالم

toobaa-elibrary.blogspot.com

کتب خانہ مدرسہ عربیہ حقانیہ
نمبر ۵۵ ۲
حوالہ خانہ سرگودھا

ہے، جیسے حضرت شاہ عبدالعزیز دباغ رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شاہ قطب الدین بختیار کاکی اگرچہ زمانہ کی اصطلاح کے مطابق اور بظاہر عالم نہ تھے مگر فی الحقیقت وہ بڑے عالم تھے، اپنے اپنے شیخ کی خدمت وصحبت میں ایک عرصہ تک فکر واہتمام کے ساتھ رہے تھے، ان کی مجالس میں ان کا کلام ملفوظات سن سن کر زبردست علم حاصل کیا تھا، ہمارے حضرت حاجی صاحبؒ بھی اصطلاحی عالم نہ تھے، حضرت میاں جی نور محمد صاحبؒ جھنجھانوی بھی اصطلاحی عالم نہ تھے مگر اللہ اکبر زبردست عالم ہی کیا عالم گر تھے، اصطلاحی مولوی نہ تھے مگر حقیقی معنی میں وہ مولوی (مولا والے) بلکہ مولوی گر تھے۔

دیکھ لیجئے حضرات صحابہؓ بھی خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض صحبت سے عالم ہوئے تھے اور ان کا علم یوں ہی معمولی علم نہ تھا، نہایت عظیم اور وسیع وعمیق علم رکھتے تھے حقیقی علم سے مشرف اور کامل ومکمل تھے۔

درسی علم اور صحبتی علم کا فرق

یہاں سے معلوم ہوا کہ صحبتی علم، رسمی ودرسی علم سے بڑھ جاتا ہے، صحبت یافتہ کو کتابوں کی احتیاج نہیں ہوتی اور اصحاب کتب کو صحبتی علم کی ضرورت وحاجت رہتی ہے، رسمی اور ظاہری وکتابی علم صحبت کاملین کے فیض سے حقیقی علم بنجاتا ہے اور بدوں فیض کاملین خواہ کتنا ہی کتابوں کا حافظ ہو جائے، کارآمد اور مقبول ومعتبر ہونا مشکل بلکہ عادۃً ناممکن ہے اور یہی نہیں اس سے بڑھ کر یہ ہوتا ہے کہ وسعت معلومات سے اکثر زعم میں مبتلا ہو کر حال خراب اور تباہ ہو جاتا ہے، حضرت مولانا رومی نے کیا خوب فرمایا ہے۔ ؎

اے بسا عالم ز دانش بے نصیب	حافظ علم است او کہ نہ حسیب
تو نہ دانی جز یجوز ولا یجوز	خود ندانی تو کہ حوری یا عجوز
جانِ جملہ علمہا این است واین	کہ بدانی من کیم در یوم دین

اور فرمایا

toobaa-elibrary.blogspot.com

ایہا القوم الذی فی المدرسہ — کل ما حصلتموہ وسوسہ
علم نبود غیر علم عاشقی — ما بقی تلبیس ابلیس شقی
علم رسمی سربسر قیل است وقال — نہ ازو کیفیتے حاصل نہ حال

حضرت تھانویؒ کی طلبہ و علما کو وصیت

یہی راز تھا کہ حضرت حکیم الامت مجدد الملت جامع المجددین قدس سرہ نے نہایت اہتمام کے ساتھ اپنے مخصوص وصایا میں بغایت شفقت و ہمدردی اور نہایت دلسوزی و دردمندی کے ساتھ تحریر فرمایا ہے کہ میں طالب علموں اور اہل علم کو یہ وصیت کرتا ہوں کہ وہ نرے درس و تدریس پر مغرور نہ ہوں کہ اس کا کارآمد ہونا موقوف ہے اہل اللہ کی خدمت و صحبت اور نظر عنایت پر۔ اس کا التزام نہایت اہتمام سے رکھیں۔

بے عنایاتِ حق و خاصان حق — گر ملک باشد سیہ ہستش ورق

عالم کے صحیح معنی

معلوم ہوا کہ یہ ایک زبردست غلطی ہے کہ بس اصطلاحی علم یعنی محض مدارس میں مخصوص کتب عربیہ پڑھ پڑھا کر اپنے کو عالم سمجھ لیا جاتا ہے اور تمام فضائل و مناقب قرآن و احادیث کو خود پر منطبق سمجھ لیا جاتا ہے یہ صحیح نہیں۔ چونکہ محققین نے علم کے لئے خشیت و تقویٰ مع ظاہری و باطنی آثار و لوازم ضروری قرار دیا ہے۔

اور یہ ظاہر بلکہ اظہر اور عقلاء کے نزدیک مسلم تسلیم شدہ ہے، بلکہ عوام و خواص سب دنیوی امور میں بالاتفاق جانتے اور مانتے ہوئے ہیں کہ ہر شئی اپنے فوائد و لوازم کے ساتھ ہی معتبر و مطلوب ہوتی ہے، فوائد و لوازم کے بغیر اس چیز کو کالعدم سمجھتے اور کہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے جوان تو وہ ہے یا کہا جاتا ہے وہ کیا جوان ہے، جوانی کی تو اسے ہوا بھی نہیں لگی، کہا جاتا ہے بات تو یہ ہے۔ اور میاں فلاں کی بھی کوئی بات ہے کیا۔ ان جملوں اور ان کے موقعوں میں نظر کرنے سے صاف صاف یہ بات واضح ہے کہ بدوں فوائد و آثار و لوازم چیز نہ ہونے ہی کے مرتبہ میں ہوتی ہے، وہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

محبوب و مطلوب نہیں رہتی جیسے خوشبو کی خاطر پھول حاصل کیا اپنے پاس رکھا، جب خوشبو ختم ہوگئی تو وہ محبوب نہیں رہا مطلوبیت اس کی ختم ہوگئی، اس لئے اس کو پھینک دیا گیا، اسی کو کہتے ہیں۔ ع

نکل جاتی ہے جب خوشبو تو گل بیکار ہوتا ہے

اسی طرح چہار سو ہزار ہا نظائر پائے جاتے اور دیکھے جاتے ہیں، جہاں یہ قاعدہ برتا جاتا ہے، پھر حیرت اور تعجب ہے کہ علم دین کے سلسلہ میں کیوں اس قاعدہ اور اصول کا لحاظ و خیال نہیں کیا جاتا۔

جب شیر کی حقیقت اپنے ساتھ کچھ آثار و لوازم رعب و ہیبت وغیرہ رکھتی ہے کہ ایک جم غفیر کٹہرہ میں مقید شیر کی ایک ترچھی نظر کی تاب نہیں لا سکتا، نظر کرتے ہی مارے دہشت کے گھبرا کر پیچھے ہٹ جاتا ہے اور منتشر ہو جاتا ہے، تو شیر اگرچہ لوہے کی سلاخوں کو توڑ کر باہر نہیں آسکتا اس کا تقریباً سب ہی کو یقین بھی ہوتا ہے مگر شیر اپنی حقیقت کے ساتھ بہر حال سامنے ہے کٹہرہ میں ہونے اور لوہے کی موٹی موٹی سلاخوں میں بند ہونے سے جب اس کی حقیقت منعدم نہیں ہوتی تو اس کے لوازم و آثار بھی لامحالہ اس کے ساتھ رہے جدا نہیں ہوئے، اس لئے بہر کیف مجمع پر اس کا رعب اس کی ہیبت طاری ہونا تھی ہو کر رہی، اب کوئی شیر کی محض صورت اور مورت، تصویر یا فقط مجسمہ دیکھے تو اس کے ساتھ یہ آثار نہ ہوں گے، اصلی اور حقیقی شیر کا مقابلہ ایک جماعت کی جماعت بھی کرنے کے لئے تیار نہ ہو، اس صورت کا مقابلہ ایک کمسن شیر خوار بچہ بھی کرلے اور اس کے ٹکڑے کر ڈالے، دیکھا آپ نے ایسا کیوں ہوا، حالانکہ اس صورت و مجسمہ کو بھی شیر کہہ دیتے ہیں مگر اس کہہ دینے سے نہ اس کو حقیقت میں شیر سمجھا جاتا نہ اس کے ساتھ وہ آثار و لوازم ہوتے، کیوں! اس لئے کہ ایک محض صورت و شکل اور برائے نام شیر ہے اور ایک فی الحقیقت اور کام کا شیر ہے، اس لئے حقیقت کے ساتھ جو آثار و لوازمات ہیں وہ صورتِ بے حقیقت کے ساتھ نہیں۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

علم حقیقی کے لوازم اسی طرح درسی اور رسمی علم، ظاہری و مجازی اور زبانی علم جب علم کے آثار اور اس کے لوازم خشیت تقویٰ، حلم، تواضع، تدبر، تفکر، عزم، ہمت، صبر و تحمل، وقار و متانت، کف نفس، کف لسان، حفظ جنان، حفظ ارکان، یعنی قلب و اعضا کی غیر انسانی مصرف سے حفاظت پیدا نہیں کرتا تو یہ صحیح معنی میں اور حقیقی اعتبار سے، اصلی طور پر علم کیوں کر ہوا، جب علم نہ ہوا تو ایسے نام کے علم والا عالم کیوں کر ہوا، جب کہ وہ علم کے اوصاف و لوازم سے خالی ہے۔

طریق درس پس یہاں سے یہ بات بھی نکل آئی کہ قرآن و حدیث کے تعلم و تعلیم کا وہی طریق اصل طریق ہے جو ان آثار و اوصاف کا باعث اور ان کیلئے معین ہو، آج کل مثل دیگر علوم و فنون کے آیات و احادیث بھی فنی اور معلوماتی حیثیت سے پڑھنے پڑھانے پر اکتفا کر لیا جاتا ہے، اپنے ظاہر و باطن پر انطباق کی طرف التفات نہیں کیا کرایا جاتا، حالانکہ کتاب و سنت، قرآن و حدیث کا اصلی مقصد قلب و جوارح کا رخ مرضی حق کی طرف موڑ دینا اور اس کے مطابق ان کو استعمال کرنا ہے، اب اس کو تزکیۂ نفس، تصفیۂ قلب کہا جائے یا تعمیر انسانیت، تہذیب اخلاق کے ساتھ موسوم کیا جائے، یا اصلاح نفس، اصلاح اعمال نام رکھا جائے حقیقت ایک ہی ہے جو کلام خدا اور کلام رسول خدا سے مطلوب ہے۔

یہ علم کی گفتگو جہل کے ذکر پر آگئی تھی اور جہل کا ذکر اس سلسلہ میں تھا کہ وضع میزان سے کیا فائدہ! جب کہ حق تعالیٰ خوب جانتے ہیں کہ کس کے اعمال و اقوال کیسے ہیں اور کس کے کیسے اور کیا کیا ہیں، وزن اعمال اور وضع میزان سے تو ظاہراً لازم آتا ہے کہ نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ اعمال و اقوال عباد کی مقدار و کمیت معلوم فرمانا چاہتے ہیں، پہلے اللہ تعالیٰ کو علم نہ تھا، جب علم نہیں تھا اس کی ضد ہوئی تو جہل کی نسبت جناب باری تعالیٰ کی طرف لازم آوے گی۔ اور یہ نسبت جہل ایک زبردست عیب و نقصان، ذات علیم و خبیر کی طرف نسبت

toobaa-elibrary.blogspot.com

یا اس کا وہم بھی ہونا بالکل زیبا نہیں محض باطل ہے، یہ قباحت اعمال کے وزن کئے جانے میں آتی ہے۔

رجوع بمقصود سو اس شبہ اور وہم کا جواب یہ ہے کہ وزن ہمیشہ کرنے کرانے والے کے جاننے کے لئے ہی نہیں ہوتا، دوسرے فوائد و اغراض بھی اس میں ہوتے ہیں، چنانچہ قیامت میں وضع میزان اور وزن اعمال کا جو ذکر ہے اس سے حق تعالیٰ کا جاننا اور ذاتِ عالیہ کو معلوم کرنا مقصود نہیں ہوگا بلکہ بندوں پر عدل و فضل کا اظہار ہوگا، جس کی طرف لفظ قسط مشیر ہے یہ دوسری بحث تھی کہ اظہارِ عدل کے واسطے وضع میزان ہوگا۔

تیسری بحث موازین سے متعلق اور جمعیت کے اقسام

تیسری بحث میں یہ سوال تھا کہ موازین جمع کا صیغہ جو اختیار فرمایا ہے تو یہ جمعیت واقعی ہے کہ قیامت میں وزنِ اعمال کے لئے بہت سی ترازو ہوں گی یا ایک ہی میزان ہوگی مجازاً جمع کے صیغہ سے تعبیر فرمایا۔؟

اس کا جواب یہ ہے کہ موازین کا اطلاق یعنی صیغۂ جمع کے ساتھ یہ لفظ حقیقت پر بھی مبنی اور محمول ہو سکتا ہے کہ ممکن ہے بہت سی ترازوئیں قائم کی جائیں، ہر ہر شخص کے لئے الگ الگ ترازو رکھی جائے، یا ہر نوعِ عمل کے لئے الگ الگ ترازو ہوں غرض حسبِ تعداد اشخاص یا حسبِ تعداد انواعِ اعمال ترازوئیں بے شمار ہوں، یہ کچھ بعید از عقل و قیاس نہیں، اس کے دنیا میں نظائر موجود ہیں، دیکھ لیا جائے۔ لکڑیاں تولنے کی میزان الگ ہے، گاڑیاں، بوگیاں وزن کرنے کے لئے الگ، ہوا کی پیمائش کے لئے الگ اور جدا آلہ ہے، حرارت اور گرمی کے لئے علیحدہ مقیاس ہے، پھر خارجی اور فضائی حرارت کے لئے اور، اور انسانی جسمانی حرارت کے لئے مستقل، پھر مختلف گھروں، مختلف دکانوں، مختلف جگہوں میں چھوٹے بڑے کانٹے الگ الگ اور متعدد و متکثر ہوتے ہیں، تو دنیا میں بے شمار موازین اشخاصی اور

toobaa-elibrary.blogspot.com

اشیائی اعتبار سے موجود ہیں اور دنیا نمونۂ آخرت ہے، اس لئے اگر یہ کہا جائے کہ قیامت میں بھی بے شمار اور متکثر ترازوئیں قائم ہوں گی تو کچھ بھی بعید نہیں۔

تیسری صورت و توجیہ یہ ہو سکتی ہے کہ میزان تو ایک ہی ہو مگر تفخیم شان کے لئے اس کو جمع کے صیغہ کے ساتھ تعبیر فرمایا، ایک ہی ترازو سے سب کا وزن ہو جائے یہ بھی قدرت الٰہیہ کے سامنے کوئی بڑی اور عجیب شئی نہیں، چنانچہ حدیث شریف میں اس کی عظمتِ شان کا بیان وارد ہے کہ قیامت میں جو میزان قائم کی جائے گی اس کے دو پلڑے ہوں گے اور ایک زبان ہوگی، ڈور اور پلڑوں کی تفصیل بھی آئی ہے چنانچہ فرمایا ہے کہ ایک ایک پلڑا اتنا بڑا ہوگا کہ ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمینوں کو اس میں سمایا جا سکتا ہے تو وہ ترازو ایسی عظیم الشان ہوگی، گویا ایک ترازو ہی بہت سی ترازوؤں کے قائم مقام ہوگی اس لئے جمع کا صیغہ مجازاً استعمال فرمایا۔

چوتھی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ میزان تو ایک ہی ہو مگر چونکہ اس میں بہت لاتعداد انسانوں کے اعمال وزن ہوں گے، اس لئے گویا ایک شخص کے اعمال وزن کئے جانے کی حیثیت سے وہ الگ ترازو ہوگی، دوسرے شخص کے اعمال وزن کے جانے کے اعتبار سے دوسری ہوگی، تیسرے کے اعمال وزن ہونے کے اعتبار سے تیسری، علی ہذا القیاس، تو تعداد اشخاص کے اعتبار سے میزان میں بھی اعتباری تعدد ہوا۔

پانچویں صورت یہ کہ اعمال مختلف اقسام کے اس میزان سے وزن کئے جائینگے کچھ قلب سے متعلق ہوں گے کچھ دیگر اعضاء سے عقائد ایک الگ نوع ہوگی، اخلاق ایک دوسری نوع اعمال کی ہوگی، پھر عبادات میں بدنی عبادت الگ، مالی الگ، بدنی عبادات میں نماز الگ، پھر نماز میں فرائض الگ نوافل الگ، ایسے ہی روزے الگ، پھر روزوں میں فرائض الگ واجبات الگ کفارات الگ ندوز الگ، مالی عبادات میں زکوٰۃ الگ، صدقات الگ، کفارات الگ، نفلات الگ، اسی طرح بدنی اور مالی سے مرکب حج الگ حج فرض الگ حج نفل الگ، ایسے ہی معاملات اور معاشرات میں انواع و اقسام نکلتی ہیں۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

غرض اعمال کی انواع کثیر در کثیر ہیں، تو گویا ہر ہر نوعِ عمل کے اعتبار سے وہ میزان ایک جدا جدا حیثیت میں ہو کر بہت سے اعتبارات اور تعدد پر شامل ہوگی اس لئے ایک ہی میزان کو موازین فرمایا۔ یہ کل پانچ توجیہات ہوئیں جن میں پہلی دو کی بناء پر موازین میں جمعیتِ حقیقی ہے، اور آخر کی تین صورتوں میں غیر حقیقی، مجازی و اعتباری جمعیت ہوگی۔

بہر حال یہ جمعیت خواہ حقیقی ہو یا غیر حقیقی دونوں عقل و نقل سے مؤید ہیں، بعض کسی طرف گئے بعض نے دوسری جدا مرادلی وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا۔

چوتھی بحث قسط کا موازین سے تعلق

چوتھی بحث میں اشکال یہ ہوتا ہے کہ موازین جمع ہے اور قسط واحد ہے، نیز قسط مذکر ہے اور موازین جمع تکسیر ہونے کی بناء پر بحکم مؤنث ہے، پھر موازین کی صفت قسط لانا کیسے صحیح ہو سکتا ہے جب کہ صفت بحال الموصوف کا اپنے موصوف کے ساتھ دس چیزوں میں مطابق ہونا ضروری ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ قسط مصدر ہے اور مصدر اسم جنس کے حکم میں ہوتا ہے جو واحد، جمع، مذکر، مؤنث سب کے لئے یکساں طور پر استعمال ہوتا ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہاں کلام بحذفِ مضاف ہے تقدیر عبارت ذوات القسط ہے۔

تیسرا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ القسط بتقدیر اللام مفعول لہٗ ہے اصل میں للقسط تھا تو یہ لفظ موازین کی صفت نہیں۔

پانچویں بحث لفظ القسطاس پر

پانچویں بحث یہ ہے کہ القسطاس رومی زبان کا لفظ ہے پھر قرآن پاک جو عربی زبان میں ہے اس میں یہ عجمی زبان کا لفظ کیوں لایا گیا، سو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت مجاہدؒ کے اس قول القسطاس بالرومیۃ العدل سے یہ لازم نہیں آیا کہ یہ عربی زبان کا لفظ نہیں، انھوں نے آیت شریفہ وَزِنُوْا

toobaa-elibrary.blogspot.com

بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ کے تحت یہ فرما کر صرف یہ بتلایا کہ یہ لفظ رومی زبان میں بھی مستعمل ہے جس کے معنی ہماری زبان عربی کے لفظ کے قریب قریب ہیں۔

حاصل جواب یہ ہوا کہ یہ لفظ قسطاس عربی زبان اور رومی عجمی زبان دونوں زبانوں میں جاری و مستعمل ہے، جیسا کہ بعض دفعہ ایک لفظ دو یا کئی زبانوں میں متحد المعنی یا متقارب المعنی ہوتا ہے

دوسرا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ یہ لفظ اول وضع کے اعتبار سے رومی زبان کا لفظ ہو مگر پھر عربی بنا لیا گیا ہو جس کو معرب کہتے ہیں، عرب میں معرب کا استعمال شائع تھا، مثلاً عرب میں ہاتھی نہیں ہوتا تھا اس لئے اس کے لئے کوئی لفظ بھی مستعمل نہیں تھا تو جب استعمال کی ضرورت ہوئی لفظ فارسی پیل کا فیل معرب کر لیا چنانچہ واقعہ اصحاب الفیل میں قرآن پاک میں پیل کے بجائے فیل استعمال ہوا، اسی طرح حدیث شریف میں چین کو استعمال کرنے کی ضرورت ہوئی تو اس کو معرب کر لیا اور اطلبوا العلم ولو بالصین فرمایا، اسی طرح رومی زبان میں القسطاس بمعنی عدل تھا اس کو معرب کر لیا گیا اور بجائے معنی عدل کے اس کو ترازو کے معنی میں استعمال کیا گیا۔

چھٹی بحث معنی قسط سے متعلق

چھٹی بحث میں سوال یہ ہے کہ قسط لغات اضداد میں سے ہے، عدل کے معنی میں بھی آتا ہے اور ظلم کے معنی میں بھی، اس لئے قرآن پاک میں دونوں معنی میں آیا ہے، یہاں کیا مراد ہے؟

جواب یہ ہے کہ امام بخاریؒ نے یہاں القسط کے معنی بیان فرمانے کے لئے اول حضرت مجاہدؒ کا قول جو وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ کی تفسیر میں انھوں نے بیان فرمایا ہے کہ القسطاس رومی زبان میں عدل کے معنی میں آتا ہے تو امام بخاریؒ نے اشارۃً فرمایا کہ مزید میں جو معنی ہیں وہی مزید علیہ کے معنی ہیں اس کی شہادت اور تائید میں یقال القسط مصدر المقسط لا کر یہ بتلایا کہ ثلاثی مزید

toobaa-elibrary.blogspot.com

مقسط بیں جو معنی ہیں عدل کے جیسا کہ ان اللہ یحب المقسطین سے ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ عدل کرنے والوں ہی کو محبوب رکھتے ہیں، اس سے خیال ہوسکتا ہے کہ بس ہر جگہ خواہ مصدر ہو یا مشتق مجرد ہو یا مزید عدل ہی کے معنی میں آوے گا و اما القاسط الخ سے اس کو دفع کر دیا کہ ثلاثی مجرد مشتق ظلم کے معنی میں آتا ہے، چنانچہ وَاَمَّا الْقَاسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا میں قاسطون کے معنے ظالمون ہیں چونکہ جہنم کا ایندھن فرمایا ہے۔

یا دوسرے عنوان سے یہ کہا جائے کہ القسط الفاظ مشترکہ میں سے ہے اس کے دو متضاد معنی آتے ہیں عدل، ظلم جیسے لفظ قرو کہ مشترک متضاد المعانی ہے حیض کے معنی بھی ہیں طہر کے معنی بھی اور الفاظ مشترکہ کے معنی کی تعیین قرائن اور دلائل سے ہوتی ہے موقع استعمال میں سیاق و سباق میں غور کرنے سے مراد واضح ہو جاتی ہے چنانچہ آیت وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ میں سیاق کلام یہ ہے کہ قسطاس کی صفت لفظ مستقیم ہے جو استقامۃ اور استوار پر دال ہو کر عدل کے معنی متعین کر رہا ہے اور آیت ان اللہ یحب المقسطین میں سیاق کلام کہ یُحِبُّ ہے۔ بتلا رہا ہے کہ مقسطین عادلین کے معنی میں ہے چونکہ محبوب خدا عادل ہی ہوسکتا ہے نہ کہ ظالم۔ اور آیت وَاَمَّا الْقَاسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا میں سیاقِ کلام قَاسِطُوْنَ کا جہنمی ہونا بتلا رہا ہے ظاہر ہے کہ ظالم ہی جہنمی ہوتے ہیں۔

علاوہ ازیں عقل و نقل دونوں اس پر شاہد ہیں کہ یہاں پر وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ میں قسط عدل کے معنی میں مستعمل ہے۔

نقل تو یہ کہ اس آیت کا بقیہ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا وَكَفٰى بِنَا حَاسِبِيْنَ ۝ یعنی کوئی نفس کچھ بھی ظلم نہ کیا جائے گا نیکی بدی کا حبہ اور شمہ بھی حاضر کر دیں گے، ریزہ ریزہ کا پورا پورا حساب ہوگا، دوسری آیت اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ کہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

حق تعالیٰ ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتے ان کے علاوہ بھی اور بہت سی نصوص سے ظلم کی نفی ثابت ہے۔

دلیل عقلی یہ ہے کہ میزان عدل و انصاف کے لئے موضوع ہے نہ کہ ظلم کے لئے نیز ظلم تو ایک بہت بڑا عیب ہے نہ کہ خوبی و کمال اور حق تعالیٰ ہر عیب و نقص سے پاک اور برتر ہے، تو قسط یہاں عدل و انصاف کے معنی میں مستعمل ہے ویسے مشتقات میں ثلاثی مجرد میں ظلم کے معنی میں آتا ہے جیسے ارشاد ہے وَاَمَّا الْقَاسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا اور ثلاثی مزید میں عدل و انصاف کے معنی میں آتا ہے، ارشاد باری ہے اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ۔ اللہ تعالیٰ پسند فرماتے ہیں مقسطین یعنی منصفین و عادلین کو عدل و انصاف والوں کو تو یہاں قسط عدل کے معنی میں ہے۔

ساتویں بحث وزن اعمال

ساتویں بحث یہ اشکال ہے کہ اس آیت میں اور قول بخاری ماخوذ من الحدیث "اعمال بنی آدم" میں اعمال و اقوال بنی آدم تولے جانے کا ذکر ہے اور تعمیم کے ساتھ ہے کوئی قید و تخصیص موجود نہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام انسانوں کے خواہ وہ مومن ہو یا کافر، پھر خالص حسنات ہی رکھتے ہوں یا خالص سیئات رکھتے ہوں یا خالط ہوں کہ حسنات سیئات دونوں قسم کے مخلوط اعمال رکھتے ہوں سب کے لئے وزن کا حکم یکساں اور عام ہے، ادھر بعض دوسری آیت میں یہ ہے فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض ایسے بھی ہیں کہ ان کیلئے وزن نہ ہوگا بغیر وزن ہی ان کا فیصلہ ہو جائے گا، پس یہ آیت تعمیم وزن کی نافی ہے اور پہلی مثبت یہ تو تعارض ہو گیا آیتوں میں، حالانکہ تعارض تو کسی عام انسان کے اقوال میں بھی پسندیدہ نہیں ہوتا عیب شمار کیا جاتا ہے تو کلام الٰہی وحی ربانی میں تعارض ہونا نہایت برا ہے تو رفع تعارض کی کیا صورت ہوگی؟

جواب یہ ہے کہ مومن اور کافر ہر ایک دو، دو قسم کے ہیں، ایک وہ مومن جو ایمان کے ساتھ صالحات و حسنات طاعات و عبادات کا بھرپور ذخیرہ رکھتا ہے،

toobaa-elibrary.blogspot.com

کامل الایمان اکمل الایمان ہے۔

دوسرے وہ مومن جو ایمان کے ساتھ خالص حسنات نہیں رکھتا، سیئات اور معاصی بھی رکھتا ہے خالط الحسنات بالسیئات ایمان میں ناقص وانقص ہے۔

اسی طرح ایک وہ کافر کہ کفر تو رکھتا ہی ہے سیئات سے بھی پرُ ہے حسنات بالکل نہیں رکھتا یہ کافر ہونے کے ساتھ ساتھ فاسق و فاجر بھی ہے۔

دوسری قسم کا وہ کافر ہے جو کفر و معاصی کے ساتھ کچھ بھلائیاں حسنات بھی رکھتا ہے۔

میں نے حسنات کہا عبادات وطاعات نہیں کہا اس لئے کہ عبادات اور حسنات میں فرق ہے۔ کفر کے ہوتے ہوئے کوئی کام کیسا ہی اچھا ہو عبادت اور طاعت نہیں ہو سکتا، چونکہ عبادت وطاعت کے لئے ایمان شرط ہے، بخلاف حسنات کے کہ مخلوق کو نفع رسانی مثلاً گرمیوں کی موسم میں پانی پلانا اس کے لئے سبیلیں مقرر و قائم کر دینا، غربا و مساکین، محتاجین کی حاجات وضروریات میں کام آجانا، بیمار پرسی کرنا، بیمار کی خدمت کرنا، مسافروں کے لئے آرام وراحت کے سامان کرنا راستہ میں مسافر خانہ بنا دینا، پل کنواں وغیرہ بنا دینا تو یہ رفاہ عام کے کام جیسے مسلمان کرتے ہیں کافر بھی کرتے ہیں۔

غرض ان چار قسموں میں سے دو قسم کے انسان ایک مومن کامل خالص الحسنات کیلئے وزن نہ ہوگا چونکہ نیکیاں ہی نیکیاں ہیں دوسرے پلڑے میں رکھنے کی کوئی چیز یعنی برائی بالکل نہیں، اس لئے وزن کی ضرورت ہی نہیں، چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ میری امت کے ستر ہزار مومن بے حساب جنت میں جائیں گے اور ان کے ساتھ جن کو وہ چاہیں گے وہ بھی ملحق ہو جائیں گے بخشدیے جائیں گے اور بے حساب جنت میں داخل ہو جائیں گے، اور یہ حضرات پل صراط سے تیز رو گھوڑوں اور چمکتی بجلی کی طرح آناً فاناً گذر جائیں گے۔

دوسرے وہ کافر جو حسنات نہیں رکھتے ظاہری و باطنی تمام برائیوں اور

toobaa-elibrary.blogspot.com

شرور و سیئات سے لت پت ہیں لہذا بے حساب جہنم میں جھونک دیئے جائیں گے، ان کے لئے بھی وزن و حساب کا سوال نہیں پیدا ہوتا چونکہ دوسرے پلڑے میں کیا رکھیں گے وزن کرتے وقت تو دونوں طرف سے وزن رکھا جاتا ہے، کمی بیشی کا انداز اور فرق و امتیاز جب ہی ہوتا ہے، ایسے ہی کافروں کے لئے یہ آیت فلا نقیم لھم یوم القیمۃ وزنا ہے۔

پس ان دو جماعتوں کے سوا دوسرے مومنوں اور کافروں سے حساب ہوگا ان کے اعمال اقوال وزن کئے جائیں گے، تولے جائیں گے جیسا کہ قرآن پاک پ۱۸ سورہ نور کی آیت فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ اور پارۂ عم سورۂ قارعہ کی آیت فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ وغیرہا آیات دلالت کرتی ہیں کہ کافروں کا حساب ہوگا ان کے اعمال تولے جائیں گے۔

غرض دو قسم کے لوگ مومن خالط الحسنات بالسیئات اور کافر صاحب السیئات والحسنات ان دونوں قسم کے لوگوں کے لئے وزن ہوگا۔

تو آیت باب اور حدیث باب سے ظاہراً مطلقاً وزن اعمال ہونا معلوم ہو رہا ہے اور آیت سورہ کہف فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا سے مطلقاً وزن اعمال کفار کی نفی یعنی کفار کے اعمال کا وزن نہ ہونا معلوم ہوتا ہے اور آیت سورۂ نور و سورۂ قارعہ مذکورہ بالا سے وزن میں تفاوت کا ہونا بھی ثابت ہے، اس لئے جمع بین الآیات اور تطبیق بین الآیات کی صورت یعنی اس قسم کی تمام آیات و احادیث کو پیش نظر رکھ کر غور کرنا ضروری ہے، چنانچہ غور و فکر اور وسعت نظر سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وزن ہونے نہ ہونے کے اعتبار سے کل چار قسم کے لوگ ہوں گے، دو قسم کے لوگ وہ ہوں گے جن کے اعمال کا وزن نہ ہوگا ان کی جزا سزا بلا حساب کتاب ہی مرتب ہو جائے گی۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

ایک مومن غیر حامل سیئات، دوسرے کافر غیر حامل حسنات، ان دونوں قسموں کے لئے وزن اعمال اور حساب نہیں ہوگا، دوسرے لفظوں میں یوں کہئے کہ پکے سچے اور کامل و اکمل مومنین کے لئے اور سخت اور کورے کافروں کے لئے حساب و کتاب اور وزن اعمال کی ضرورت نہ ہوگی، چونکہ ان کا معاملہ خود ظاہر بلکہ اظہر ہوگا۔

مومنین کاملین و اکملین فَاُولٰئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ يُرْزَقُوْنَ فِيْهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ کا مصداق ہوں گے، بے حساب سیدھے جنت میں چلے جائیں گے۔

اور کافرین ظالمین و اظلمین بے چوں و چرا جہنم میں داخل کر دیئے جائیں گے، یہ ہیں وہ دو جماعتیں جن کے لئے وزن اعمال نہیں ہوگا۔

ان کے علاوہ باقی دو قسم کے لوگ مومن خالط الحسنات بالسیئات اور کافر صاحب الحسنات ان دونوں قسم کے لوگوں کے لئے وزن ہوگا۔ اب تمام آیات و احادیث کے معانی صاف ہو گئے۔

رہا یہ سوال کہ کافر کے اعمال وزن کرنے سے کیا فائدہ؟ کیا اس کے حسنات سے اس کو جہنم سے نجات ہو جائے گی۔؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ بسبب کفر دائمی عذاب سے تو نجات نہ پا سکے گا مگر تخفیف عذاب اس کو حاصل ہوگی جیسا کہ حضرت ابو طالب اور ابو لہب کے لئے حدیث میں وارد ہے کہ ابو طالب نے میرے ساتھ اچھے سلوک کئے ہیں اور ایمان قبول نہیں کیا اس لئے اس کو دوام عذاب تو ہوگا مگر سب سے کم ہوگا کہ صرف آگ کی دو جوتیاں پہنائی جائیں گی مگر اس پر بھی یہ حال ہوگا کہ دماغ کا بھیجا پکتا اور کھولتا ہوگا۔ اور ابو لہب نے میری ولادت کی خوش خبری پر خبر دینے والی باندی کو جوش مسرت سے آزاد کر دیا تھا اس لئے ہر پیر کے روز اسے ٹھنڈا پانی پینے کے لئے ملا کرے گا۔

تو کافر کو حسنات سے آخرت میں نجات اور مغفرت تو حاصل نہیں ہوگی مگر یہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

فائدہ ہوگا کہ اس کے عذاب میں تخفیف اور کمی ہوگی، بخلاف اس کافر کے جو کہ حسنات سے خالی ہے، کفر کے ساتھ برائیاں اور شرارتیں ہی شرارتیں ہیں اس کو زیادہ شدید واشد عذاب ہوگا۔

دراصل بات یہ ہے کہ حسنات اور بھلائیاں تو راحت و آرام اور فائدہ و نفع ہی کی چیز ہیں، اس سے بڑھ کر اور کیا اس کا ثبوت ہوگا کہ کفر کے باوجود کچھ نہ کچھ نفع اور فائدہ نیکیوں اور بھلائیوں کا پہنچ کر ہی رہا۔

پھر یہ فائدہ تو اخروی ہوا، دنیا میں بھی کافر کو اس کی بھلائیوں سے فائدے پہنچتے ہیں مثلاً اس کی دنیوی زندگی میں راحت و عزت کے سامان حاصل ہونا اور زراعت و تجارت، مال و دولت میں ترقی ہونا وغیرہ۔

وجہ اس کی یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے یہاں عدل و انصاف ہے اس لئے جیسا کوئی کرتا ہے اس کو ویسا ہی ثمرہ عطا فرماتے ہیں لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ إِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنكُم۔ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ وغیرہ آیات سے یہ بات بالکل ظاہر بلکہ اظہر ہے۔

پس دونوں آیتوں فلا نقیم لهم یوم القیمة وزنا۔ اور ونضع الموازین القسط لیوم القیمة کے درمیان کوئی تعارض نہیں چونکہ فلا نقیم لهم میں جس وزن کی نفی ہے اس کا ونضع الموازین میں اثبات نہیں اور جس وزن کا اس میں اثبات ہے اس کی آیت فلا نقیم لهم میں نفی نہیں۔

اس لئے نفی بھی اپنی جگہ صحیح اور اثبات بھی اپنی جگہ صحیح اور درست ہے فلا نقیم لهم میں شریر کفار کے لئے وزن اعمال کی نفی ہے اور یہاں ونضع الموازین میں کافر صاحب حسنات اور مومن اہل معاصی و سیئات کے لئے اعمال و اقوال کا وزن مذکور ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ آیت فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا میں عدم اقامتِ وزن کنایہ اور مجاز ہے عدم اعتداد اور عدم اعتبار سے یعنی یہ مطلب

toobaa-elibrary.blogspot.com

نہیں کہ کافروں کے اعمال کا وزن بالکل ہوگا ہی نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ وزن تو ہوگا مگر کفر و کفریات کے مقابلہ دوسرے پلڑے میں جو کچھ ان کے خیرات و حسنات رکھے بھی جائیں گے تو وہ وزنی نہ ہوں گے چونکہ اعمال میں وزن ایمان سے آتا ہے اور وہ ان کے پاس ہے نہیں لہذا کفر اور کفریات کا پلڑا ہی بھاری ہوگا، بھلائیوں کا پلڑا اس کے مقابلہ لایعبابہ اور لایعتد بہ ہوگا قابل شمار نہ ہوگا۔

غرض یہ وزن کفار کے لئے باعث نجات نہ ہوگا، اس لئے نتیجہ کے اعتبار سے لاحاصل اور لاوزن ہوگا تو فی الحقیقت اگرچہ کفار کے لئے وزن ہوگا مگر چونکہ بے اثر اور بے فائدہ ہوگا چونکہ عذاب سے نہ بچا سکے گا، لہذا ایسا ہی ہوگیا جیسا کہ بھلائیوں کا وزن نہ کیا جاتا اور عذاب میں گرفتار ہوتا۔

حاصل یہ ہوا کہ وزن کی نفی باعتبار غرض و غایت مرتب نہ ہونے اور بے فائدہ اور لاحاصل نجات کے اعتبار سے ہے، پس یہ وزن، عدم وزن کے مرتبہ میں ہوگا اور محاورات میں ایسے غیر معتد بہ امر کا اعتبار نہیں کیا جاتا اس کی نفی ہی کی جاتی ہے اس لئے آیت فلا نقیم لھم..... علی طور المحاورہ ہے۔

تیسرا جواب یہ ہوسکتا ہے کہ آیت مذکورہ فلا نقیم میں وزن بمعنی قدر ہے جیسا کہ کہا جاتا اور بولا جاتا ہے کہ فلاں شخص کی بات میں کوئی وزن نہیں بے قدر اور بے وقعت ہونا مراد لیا جاتا ہے، اسی طرح یہاں آیت میں عدم اقامت وزن سے ان کی تحقیر اور بے قدری مراد ہے معنی یہ ہیں کہ ہم ان کی کوئی قدر نہ کریں گے، وہ ہمارے نزدیک بے قدر اور ذلیل ہوں گے۔

ان دونوں جوابوں کے پیش نظر آیت فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا میں نفی عموم پر رہے گی یعنی تمام کفار اس کے مصداق ہوں گے، اور پہلے جواب کا حاصل یہ تھا کہ آیت مذکورہ عموم پر نہیں اس میں صرف شریر کفار مراد ہیں۔

آٹھویں بحث وزن اعمال کے متعلق

آٹھویں بحث وزنِ اعمال سے متعلق ہے اور

toobaa-elibrary.blogspot.com

یہی ترجمہ باب سے اصل مقصود ہے، تفصیل اس کی یہ ہے کہ تمام اہل السنت والجماعت اس پر اتفاق رکھتے ہیں کہ اعمال کا وزن حق اور ثابت ہے، وزن اعمال اور وضع میزان پر ایمان لانا فرض ہے چونکہ یہ دونوں باتیں نصوص قطعیہ سے ثابت ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ الْحَقُّ الایہ دوسری جگہ ہے وَنَضَعُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ الایہ۔ اس لئے تمام اہل حق کا یہی مذہب ہے۔

مگر معتزلہ جیسے دوسرے بہت سے مسائل میں اپنی الگ راہ رکھتے ہیں اس مسئلہ میں بھی اہل حق سے جدا اور الگ نظریہ وخیال پر ہیں، کہتے ہیں کہ اعمال اعراض ہیں ان کا وزن ممکن نہیں اس لئے نہ وضع میزان ہوگا نہ وزن ہوگا، اس لئے اس بارے میں جو نصوص وارد ہیں وہ ظاہری معنی پر محمول نہیں، ان کے یہ معنی نہیں کہ واقعۃً ترازو قائم ہوگی اور اعمال کو اس میں رکھ کر تولا جائے گا بلکہ بطور کنایہ صرف جزا سزا اور عدل وانصاف مراد ہے۔

امام بخاریؒ اس باب کو قائم فرما کر اہل حق، اہل السنت والجماعت کا مذہب ثابت اور مؤید کرتے ہیں اور معتزلہ فرقہ باطلہ کا مذہب رد، ان کی رائے کی تغلیط اور ان کے خیال کا ابطال فرماتے ہیں جیسا کہ امام بخاریؒ کی عادت ہے کہ ہر ترجمۂ باب وعنوانِ باب سے مذہب حق کا اثبات اور اس کی تائید فرماتے ہیں اور اہل باطل کے غلط مذہب کی تردید فرماتے ہیں، پوری کتاب صحیح بخاری میں ان کی یہی عادت رہی ہے، چنانچہ جب ختم کتاب پر پہنچے تو یہاں بھی حسب عادت مذہب حق یعنی وزن اعمال واقع ہونے کا اثبات فرمایا اور وزن اعمال کے منکرین، معتزلہ کے باطل مذہب کی تردید وابطال کا قصد فرمایا۔

گویا حضرت امام بخاریؒ نے علی الاعلان یہ فرمایا کہ اے معتزلہ ہمارے پاس قرآن وحدیث سے محکم دلائل ہیں اس لئے ہم ببانگ دہل کہتے ہیں کہ اعمال واقوال کا قیامت کے دن ضرور وزن ہوگا۔ تمہارے پاس کیا دلائل ہیں، اس پر معتزلہ کے کان کھڑے ہوئے اور عقلی گھوڑے دوڑانے شروع کر دیئے

toobaa-elibrary.blogspot.com

ان کی یہی عادت ہے کہ پہلے ایک نظریہ قائم کر لیتے ہیں پھر منگھڑت باتیں بگھارنے لگتے ہیں، آیات و احادیث سے بحث نہیں کرتے جیسا کہ اس مسئلہ وزن اعمال کا انکار کرتے ہوئے واہی تباہی ہانک رہے ہیں۔

بات یہ ہے کہ جب ہوائے نفسانی اور عقل و رائے کو قرآن و حدیث کے تابع کر دیا جاتا ہے عقل اسی وقت درست ہوتی ہے ورنہ بے عقلی اور کجی کی باتیں ہی حسین اور دلبر اور عقلمندانہ معلوم ہوا کرتی ہیں، سو معتزلہ کو عقل اور رائے میں غلو اور ہیضہ ہے ہر جگہ اپنی عقل اور سمجھ ہی کو آگے چلاتے ہیں، مسئلہ وزن اعمال میں بھی یہی طور اختیار کیا، کہتے ہیں کہ اعمال و اقوال کا تو جہاں صدور اور خروج ہوا بس ختم ہوئے ان کا وجود ہی باقی نہیں رہتا وہ تو ساتھ ساتھ ہی ختم ہو جاتے ہیں فنا اور معدوم ہوتے رہتے ہیں باقی بالکل نہیں رہتے، جب فنا ہو گئے تو وزن کیسے ہو سکتا ہے اور وزن کے لئے کوئی شئی موجود ہونا چاہئے، اور جب یہ نہیں تو وزن و میزان کا وقوع کیسے تسلیم کر لیں یہ ہرگز نہیں ہو سکتا، اور اگر مان بھی لیں کہ اعمال و اقوال موجود رہتے ہیں تو وہ معقولات تسعہ سے ہیں از قبیل اعراض ہیں اس لئے نہ ان کا کوئی جسم ہے نہ صورت ہے نہ جسم تعلیمی، اور جو چیز ایسی ہوتی ہے اُس کی کمیت و مقدار کچھ نہیں اس کا وزن محال ہوا کرتا ہے جب وزن محال تو اس کے لئے وجود میزان بھی محال، اس لئے نہ قیامت میں وزن ہو گا نہ میزان قائم ہو گی، یہ دو دلیلیں معتزلہ کی طرف سے ان کے اپنے دعوے پر آپ حضرات سن چکے ان کو ان کی دلیلیں کہئے یا اہل السنت والجماعت پر دو اعتراض کہہ دیجئے۔

معتزلہ کے اعتراضوں کے جوابات

اب اہل حق کی طرف سے ان اعتراضوں کے جوابات یا ان کی دلیلوں کی تردید ملاحظہ فرمایئے۔ اس سلسلہ میں امام بخاری کے بیان کا حاصل عرض کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ عقلی جوابات

toobaa-elibrary.blogspot.com

پیش کردیے جائیں تاکہ عقلی کا جواب عقلی سے ہو جائے، دوسری بات یہ کہ عقلی سے نقلی جواب اور نقلی دلیل زیادہ صحیح اور زیادہ مضبوط ہوتی ہے، لہذا پہلے عقلی پیش ہو جائے اس کے بعد جو امام بخاریؒ نے قرآن و حدیث سے نقلیات کا ذخیرہ ہمارے سامنے پیش فرمایا ہے اس کی وضاحت کی جائے تو ترتیب ترقی من الادنیٰ الی الاعلیٰ کا مصداق اور بہتر ہوگی، سو معتزلہ کی پہلی دلیل کا حاصل یہ تھا کہ اعمال و اقوال کا یہ حال ہے کہ ادھر صدور ہوا اور ادھر ختم وہ موجود اور باقی نہیں رہتے فوراً فنا اور معدوم ہو جاتے ہیں، اور معدوم کا وزن محال ہے اس لئے ان کا وزن نہیں ہو سکتا۔

اس کا ایک جواب تو حضرات صوفیہ نے دیا ہے، آپ نے سنا ہوگا کہ صوفیہ کی بھی ایک جماعت ہے، منطق کی کتابوں میں یہ جملہ پڑھا ہوگا کہ کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے نزدیک تمام نظریات بدیہی ہو جاتے ہیں وھم اصحاب القوۃ القدسیۃ۔ تو حضرات صوفیہ یہ فرماتے ہیں جس کا حاصل معتزلہ کے مقابلہ میں اس طرح ہے کہ تمہارا یہ قول کہ اعمال اعراض ہیں اور وہ ساتھ ساتھ ہی فنا ہو جاتے ہیں ان کو بقا نہیں ہوتی اور جب بقا نہیں تو وزن بھی نہیں ہو سکتا یہ علی الاطلاق اور کلیۃً تسلیم نہیں، اس لئے کہ اگر کوئی چیز فنا ہوتی ہے تو اس جیسی چیز تجدد امثال کے طور پر موجود رہتی ہے اور جب اس جیسی چیز موجود ہے تو اس کے مثل کے وزن سے خود اس چیز کا وزن معلوم ہو جاتا ہے اور یہ چیز اعراض کی طرح جواہر میں بھی جاری ہوتی ہے تو آپ تو اعراض ہی کی فنائیت کو لے رہے ہیں ہم تو یہاں تک بھی قائل ہیں کہ جواہر بھی ہر آن فنا ہوتے رہتے ہیں، ہر لمحہ ان پر فنا طاری ہوتی رہتی ہے مگر تسلسل تجدد امثال کی وجہ سے کہ ہر آن جب ایک فنا ہوتا ہے اسی آن اس کی جگہ اس کا مثل آ لیتا ہے، اس لئے ظاہر میں وہ معدوم نظر نہیں آتا موجود اور باقی ہی دیکھا جاتا ہے، تمام جواہر و اجسام کا یہی حال ہے۔

گویا حضرات صوفیہ کی طرف سے بطور الزام حجت معتزلہ کو یہ کہا جا رہا ہے

toobaa-elibrary.blogspot.com

(اگرچہ عجیب سی بات ہے، کہ اے معتزلہ جو تم کہتے ہو وہ ہم بھی کہتے ہیں بلکہ ہم تو یہاں تک کہتے ہیں کہ آپ ایک منٹ پہلے اور اس سے بھی بڑھ کر آدھ منٹ پہلے جو آپ تھے اب اس وقت وہ نہیں رہے اگرچہ یہ بات آشکارا نہیں مگر فی الحقیقت تمہارے اندر بہت کچھ تغیر ہو گیا ہے لیکن وجود سابق کا مثل قائم مقام ہو جانے اور ہوتے رہنے کی وجہ سے آپ سمجھ رہے ہیں کہ آپ پہلے والے ہی ہیں - دیکھ لیجئے، بچہ آناً فاناً بدلتا اور پہلا نقش وجود ختم کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ ایک وقت بین طور پر اور بالکل کھلم کھلا طریقے سے بہت بڑا چہرہ ڈاڑھی والا آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے اور بجائے بہت چھوٹے قد اور معمولی سے عرض عمق کے، ایک لمبا قد اور بڑا ڈیل ڈول والا جسم دیکھا جاتا ہے، پھر یہ آب و تاب، چمک دمک، کھنچے تنے، گٹھے ٹھکے، جسم کا حال بھی تغیر پذیر ہوتا ہے اس میں بھی زوال و فنا چلتا رہتا ہے حتیٰ کہ نمایاں طریقہ سے کھال کا ڈھیلا ہونا، سکڑ جانا، لٹک جانا، اعضاء اور جلد کی خوبصورتی ختم، موٹے پن کے بجائے دبلا پن آجاتا ہے -

یہاں سے اتنی بات تو موٹی فہم اور معمولی عقل والے کی بھی سمجھ میں آجاتی ہے کہ مثلاً زید جو دس سال، پانچ سال پہلے تھا اب وہ نہیں رہا بلکہ بہت کچھ بدل گیا، اس لئے اب گویا وہ دوسرا زید ہے -

اسی پر قیاس سے دس، پانچ منٹ پہلے کا حال واضح ہو جاتا ہے، کہہ سکتے ہیں کہ ایک شخص جو دس، پانچ منٹ پہلے بخار زدہ تھا اور اب اس کو بخار نہیں رہا، تو وہ پہلے والا نہیں رہا، کیفیت اور ظاہری حالت کے اعتبار سے بدل کر وہ دوسرا ہو گیا، تو جو وہ پہلے تھا اب وہ نہیں رہا دوسرا ہو گیا -

اس لئے صوفیہ کہتے ہیں کہ تم اعراض کی بات کرتے ہو، ہم تو یہ کہتے ہیں کہ جواہر بھی بذات خود ہر آن فنا ہوتے رہتے ہیں مگر امثال کے ساتھ موجود رہتے ہیں اسی کو تجدد امثال کہتے ہیں -

ایک مثال ابھی ابھی ایک دوسری قسم کی ذہن میں آئی ہے کہ ایک شخص ابھی ذرا

toobaa-elibrary.blogspot.com

پہلے کفر کے ساتھ ملبوس ہوا اس کو کافر کہا رہے تھے، کفر کے ساتھ موصوف اور موسوم کر رہے تھے، اس کے ایک منٹ بعد اب ایمان قبول کر لیا، ایمان کے ساتھ متصف ہو گیا تو اندرونی اور باطنی اعتبار سے ابھی کچھ تھا اب اور ہو گیا تو ذرا میں کچھ کا کچھ ہو گیا تو پہلے والا اب کہاں رہا، ذاتاً و صفاتاً جو پہلے تھا وہ بدل گیا پہلا ختم ہو گیا دوسرا موجود ہو گیا، یہی تجدد امثال کہلاتا ہے۔

فلاسفہ، صوفیہ کے ساتھ تجدد امثال کے مسلک میں صرف اعراض میں متفق ہیں جواہر میں تجدد امثال تسلیم نہیں کرتے، تاہم صوفیہ اور فلاسفہ کا متفقہ فیصلہ ہے کہ اعراض بذات خود باقی نہیں رہتے تو تجدد امثال کے طور پر ضرور موجود و باقی رہتے ہیں اس لئے اعمال و اقوال گو اعراض ہیں مگر کلیۃً اور مطلقاً غیر موجود و معدوم نہیں بلکہ تجدد امثال کے طریقہ سے ان کے لئے بقاء اور وجود رہتا ہے، پس ان امثال کا وزن ان اعیان ہی کا وزن ہوگا۔

بہر حال معتزلہ کو جو وزن اعمال محال معلوم ہوا وہ غلط ہو کر ثابت ہو گیا کہ ان کا وزن ہو سکتا ہے، نیز ثابت ہو گیا کہ معتزلہ کی دلیل عقلی، محققین اور محققین کی دلیل عقلی کے سامنے کوئی چیز نہیں بالکل ہیچ اور رد ہے۔

اب ایک بات مزید توجہ کے قابل سن لیجئے وہ یہ کہ ابھی آپ حضرات نے تجدد امثال میں دو مذہب ہونا معلوم کیا ہے، ایک فلاسفہ کا جو تجدد امثال کے صرف اعراض میں قائل ہیں، دوسرا مذہب صوفیہ محققین کا جو تجدد امثال کے اعراض و جواہر دونوں ہی میں قائل ہیں، اب دیکھنا یہ ہے کہ ان میں کونسا مذہب راجح اور حق ہے، سو غور کرنے سے حضرات صوفیہ ہی کا مذہب تحقیقی اور معقول معلوم ہوتا ہے، اس لئے کہ بہت سے نظائر اور مویدات ہمارے سامنے ہیں جن سے جواہر میں تجدد امثال نہ ہونا جیسا کہ فلاسفہ کا خیال ہے غلط معلوم ہوتا ہے، تجدد امثال جواہر میں بھی مثل روز روشن بالکل ظاہر و باہر نظر آتا ہے، چنانچہ رات دن کی بات ہے کہ سیر، من وغیرہ کے باٹ سے اگر کسی شخص نے گیہوں وغیرہ ادھار لئے

toobaa-elibrary.blogspot.com

پھر وہ باٹ گم ہو گیا، اب مالک مطالبہ کرتا ہے کہ میں نے جس باٹ سے دیئے تھے وہی لاؤ اسی سے لوں گا، ادھار لینے والا کہتا ہے کہ صاحب وہ تو گم ہو گیا، اب دوسرے باٹ سے لے لیجئے وہ بھی اس کے وزن کے برابر ہے تمہیں تو اتنی ہی چیز کا ہونا درکار اور مطلوب ہے، تو ظاہر ہے اگر مالک ضد کرے کہ میں نہیں اتنا دہی باٹ لاؤ اسی سے لوں گا تو اس کی یہ ضد غلط اور بیوقوفی ہوگی، سننے والے کہیں گے کہ دینے والے کی بات غلط نہیں، لین دین کا معاملہ اسی طرح درست ہوتا ہے۔

تو دیکھ لیجئے کہ سیر کا باٹ فنا ہو کر اس کا مثل موجود ہونے سے صاحب حق کا جو حق پہلے باٹ کی موجودگی میں تھا وہی اس کے مثل سے ادا ہو گیا کچھ بھی کمی بیشی اور غلطی واقع نہیں ہوئی۔

معلوم ہوا کہ مثل کے موجود ہونے کی حالت میں اصل نہ ہونے سے کچھ نقصان نہیں ہوتا وزن پورا پورا اور صحیح و درست کسی شی کا اس کے مثل سے ہو جاتا ہے، اسی طرح اعمال فنا ہو گئے تو ان کے امثال سے ان کا وزن ہو جائے گا، یہاں اس مثال میں تو جوہر کے فناء اور اس کے مثل سے اس کا وزن ہو گیا تو اعراض کا معاملہ تو جواہر سے پھر کم ہے، لہذا ان میں تو بطریق اولیٰ امثال کے وزن سے وزن صحیح ہو گا،

دوسری مثال لیجئے۔ چراغ میں تیل جلتا ہے اور تیل جواہر میں سے ہے، یہ تیل ہر آن فنا ہوتا رہتا ہے لیکن جوں ہی کوئی قطرہ ذرہ بنتی میں آکر ختم ہو جاتا ہے فوراً ہی دوسرا اسی کے مثل بتی میں پہنچ جاتا ہے، اسی تسلسل اور تجدد امثال کے ذریعہ چراغ برابر روشنی دیتا رہتا ہے، تو روشنی بھی قطرہ کی طرح ہر آن ختم ہوتی رہتی ہے مگر پیہم اور لگاتار اسی کے مثل اس کی جگہ آتی رہتی ہے، اس لئے ناظرین کو نہ تیل کا ختم ہونا محسوس ہوتا اور نہ روشنی کا فنا ہونا، مگر کب تک نظر دھوکہ دیتی رہے آخر ایک آن یہ سلسلۂ امثال اور یہ تسلسل و تجدد ختم ہو جاتا ہے، تیل ختم ہو کر چراغ بھی گل اور روشنی ختم، اس مثال میں اگر ہر آن تیل فنا نہیں ہوا تو آخر ایک دم وہ کیا ہوا؟ اس سے ثابت ہوا کہ تیل اور روشنی میں تجدد امثال پایا گیا جس سے جواہر میں تجدد امثال

toobaa-elibrary.blogspot.com

ظاہر ہے۔

تیسری مثال۔ اسی طرح حیات انسانی ظاہری اور سببی حیثیت سے خون دل پر مبنی اور موقوف ہوتی ہے تو یہ خون دمبدم ختم اور کم ہوتا رہتا ہے اور اسی جیسا دوسرا قلب میں اس کی جگہ پہنچتا رہتا ہے اس طرح زندگی باقی اور جاری رہتی ہے، لیکن شدہ شدہ جب ایک وقت خون قلب میں پہنچنا موقوف اور بند ہو جاتا ہے تو زندگی ختم ہو جاتی ہے اسی کو ہارٹ فیل ہونا کہتے ہیں، تو دیکھئے اس مثال میں غور کیجئے کہ تجدد امثال کے سلسلہ تک حیات باقی رہی اور فناء کا ظہور نہ ہوا، حالانکہ فی الحقیقت ہر آن فناء طاری ہوتی رہی، تو خون جو کہ جواہر میں سے ہے اس میں بھی تجدد امثال پایا گیا، اسی طرح کثیر در کثیر نظائر ہیں جن سے بین طور پر واضح طریق سے بخوبی ثابت اور عیاں ہوتا ہے کہ جواہر میں بھی تجدد امثال ہوتا ہے۔

پس مذہب حق اور راجح یہی ہے کہ تجدد امثال اعراض و جواہر دونوں ہی میں ہوتا ہے، یہ حضرات صوفیہ کا مذہب ہے، ایسی صورت میں اعمال کے اعراض اور فنا ہونے سے وزن و وضع میزان کی نفی نہیں ہو سکتی۔

لہذا معتزلہ کا یہ کہنا کہ اعمال و اقوال اعراض ہیں جن کو بقاء نہیں اور جب وہ باقی و موجود ہی نہیں رہتے تو وزن کی بھی کوئی صورت نہیں، یہ ان کا کہنا اور وزن اعمال و اقوال سے وضع میزان سے انکار کرنا محض غلط اور قول باطل و مردود ہے جیسا کہ مفصل بیان آپ حضرات نے سن لیا کہ تجدد امثال کے طور پر اعمال و اقوال کا وزن ممکن الوقوع ہے، اس میں عقلی استحالہ بالکل نہیں۔

یہ تھا معتزلہ کی پہلی دلیل اور ان کے استدلال کا یا پہلے اعتراض کا رد اور جواب جو شرح و بسط کے ساتھ آپ نے سماعت فرما لیا، اب معتزلہ کی دوسری دلیل و استدلال یا یوں کہئے کہ دوسرے اعتراض کا جواب دیا جاتا ہے۔

اعتراض یا استدلال یہ ہے کہ اقوال و اعمال اعراض ہیں اور اعراض جسم نہیں رکھتے اور بدون جسم وزن ممکن نہیں، پس اعمال و اقوال چونکہ اعراض ہیں ان کے لئے

toobaa-elibrary.blogspot.com

بھی جسم نہیں اور جب جسم نہیں تو ان کا وزن بھی ممکن نہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ہمیں تمہارا یہ مقدمہ ہی تسلیم نہیں کہ اعراض کا وزن نہیں ہو سکتا چونکہ فلاسفہ نے آلات جدیدہ سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ اعراض کا وزن ہو سکتا ہے، چنانچہ حرارت و برودت اعراض میں سے ہیں ان کا وزن بتایا جاتا ہے، کہا جاتا ہے کہ فلاں شہر کی حرارت اور گرمی اس قدر، اتنے درجہ پر ہے اور مثلاً کہا جاتا ہے کہ آج برودت و سردی اس ڈگری پر ہے، ڈاکٹر صاحبان آلۂ تھرمامیٹر کے ذریعہ حرارت جسم کا وزن کرتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ اس شخص کو ایک سو دو ڈگری بخار ہے یا کہتے ہیں کہ ایک سو چار ڈگری بخار ہے، تو جب حرارت، برودت وغیرہ اعراض کا وزن کر لیتے ہیں تو یہ کس درجہ حیرت کی بات ہے کہ حکماء و فلاسفہ جدیدہ اور ڈاکٹر صاحبان تو اعراض، حرارت و برودت کا وزن اور درجہ اور مقدار معلوم کر لیں اور حق سبحانہ تعالیٰ جن کا علم، موجود اور معدوم دونوں کے ساتھ یکساں طور پر ہے، کسی شئی کے موجود ہونے سے قبل بھی اس کا ویسا ہی علم ہے جیسا کہ اس کے وجود میں آجانے کے بعد ہوتا ہے، وہ عالی ذات ہر شئی اور ہر ہر ذرہ کا پورا پورا علم رکھتا ہے اور ذرہ ذرہ پر پوری پوری قدرت بھی رکھتا ہے، غرض اس کا علم اور اس کی قدرت ہر شئی کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔

وہ اپنے اس علم کے سبب ہر تصرف کا طریق بھی جانتا ہے اور قدرت کے سبب اس طریق کو نافذ بھی کر سکتا ہے اور طریقِ نفاذ کے علم و قدرت سے بدرجۂ اکمل واقف اور باخبر ہے تو جس کی قدرت ایسی، شان علمی ایسی، کیا وہ اپنے بندوں کے اعمال و اقوال وزن کرنے سے عاجز ہوگا کیا اس کو یہ کچھ مشکل ہوگا۔ ہرگز نہیں! پھر اعمال و اقوال کا وزن کیوں نہیں کر سکتا، ضرور کر سکتا ہے بلکہ وہ تو نہایت آسانی کے ساتھ اور بطریقِ اولیٰ وزن فرمالیں گے خواہ اعمال و اقوال بنی آدم کیسے ہی اعراض بلکہ اعراض در اعراض اور کیسے بھی خفی و اخفیٰ اور کتنے ہی صغیر و حقیر ہوں، نصوص قرآنیہ اس بارے میں صریح الدلالت ہیں، چنانچہ ارشاد ربانی ہے۔ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ

toobaa-elibrary.blogspot.com

فی الارض ولا فی السماء ولا اصغر من ذلک ولا اکبر الا فی کتاب مبین۔ دوسری جگہ ارشاد ہے انہ یعلم السر واخفی۔ ایک اور جگہ ہے یبنی انہا ان تک مثقال حبۃ من خردل فتکن فی صخرۃ او فی السموت او فی الارض یات بہا اللہ ان اللہ لطیف خبیر۔ اور یہ آیت شریفہ بھی ہے ونضع الموازین القسط الی قولہ تعالیٰ وان کان مثقال حبۃ من خردل اتینا بہا وکفی بنا حاسبین۔ پس اے معتزلہ تمہارا قال و خیال اور تمہارا مذہب وزن و میزان سے انکار محض غلط اور بالکل باطل ہے جیسا کہ حسیات اور عقلیات سے ہم نے اعراض کا وزن ہونا اچھی طرح ثابت کر دیا، اور دنیا نمونہ آخرت ہے تو جیسے یہاں اعراض کا وزن ہوتا ہے اسی طرح قیامت و آخرت میں بھی اعمال کا وزن ہوگا اور میزان قائم کی جائے گی اس میں ذرا بھی شبہ کی گنجائش نہیں ہے، بالکل قطعی ویقینی چیز ہے، یہ جوابات حضرات صوفیائے کرام اور حکماء و فلاسفہ کے بیانات سے ہوئے۔

اب امام بخاریؒ کے بیان سے معتزلہ کے دلائل کی تردید، ان کے اعتراضات کے جوابات غور کے ساتھ سنئے۔

حضرت امام بخاریؒ نے قرآن و حدیث سے جو کچھ ثابت فرمایا ہے اس کو اس طرح تعبیر کیا جا سکتا اور کہا جا سکتا ہے کہ امام بخاری اپنے طرز تحریر و طور کلام سے گویا یوں فرما رہے ہیں کہ اے معتزلہ کچھ عقل سلیم سے کام لو کہاں کی کہہ رہے ہو کہ اعمال اعراض ہیں اس لئے ان کا وزن نہ ہوگا پس نہ میزان کی ضرورت ہے اور نہ وہ قائم ہوگی۔ یہ تمہاری بات اور تمہاری رائے صحیح نہیں، اس لئے کہ ہم پوچھتے ہیں کہ اعراض کا وزن محال عقلی ہے یا محال عادی ہے؟

ظاہر ہے کہ اس کو محال عقلی تو نہیں کہا جا سکتا، زیادہ سے زیادہ اس کو محال عادی کہہ سکتے ہیں کہ عادۃً اعراض کا وزن نہیں ہوتا، عادت یہی ہے کہ اجسام و جواہر ہی وزن کئے جاتے ہیں، تو اعراض کا وزن کیا جانا محال عادی ہوا اور جو چیز

toobaa-elibrary.blogspot.com

محال عادی ہوتی ہے وہ ممکن الوجود ہوتی ہے اور ممکن الوجود شئی کی اگر دو عادل خبر دیدیتے ہیں تو وہ ثابت ہو جاتی ہے اس کا تسلیم کرنا، اس کا ماننا ضروری اور لازم ہو جاتا ہے، یہ ہے مولویوں کی بات، کہیں کا تعلیم یافتہ کسی جگہ کا پڑھا ہوا ہو ہماری دینی درسگاہوں کا درمیانی سمجھ کے ساتھ کتابیں پڑھے ہوئے کا لندن وجرمن وغیرہ سے ڈگری پایا ہوا بھی مقابلہ نہیں کر سکتا۔

آپ حضرات خود صاحب علم ہیں اس اصول عقلی کی زیادہ تشریح کی آپ کو حاجت نہیں، اس لئے آپ کے سامنے ہندی کی چندی کرنا اچھی بات نہیں ہے مگر چونکہ یہاں اس وقت مجمع میں دوسرے بھائی صاحبان (عوام) بھی ہیں اس لئے ان کے لئے ایک مثال دی جاتی ہے، دیکھئے ایک شخص بیمار ہوا اور بیمار بھی بڑا سخت ہو، بڑی نازک حالت ہو، آپ وہاں خود بھی دیکھ کر آئے آپ کے سامنے موت کا وقوع نہیں ہوا، پھر آپ کے چلے آنے کے بعد ایک سچا شخص جس کے متعلق آپ کو کبھی جھوٹ کا تجربہ نہیں ہوا آیا اور آپ کے سامنے یہ کہا کہ فلاں کا انتقال ہو گیا تو اس مخبر صادق کی تنہا کی خبر پر اس کی موت کا یقین کر لیتے ہیں، ذرا بھی شک نہیں کرتے، کیوں؟ اس لئے کہ وہ بیمار شخص ممکن الموت تھا، اس کی موت آپ کے نزدیک مستبعد نہیں تھی۔

اسی طرح امام بخاری فرماتے ہیں کہ اے معتزلہ! ذرا سوچو، غور کرو کیا یہ بات نہیں ہے کہ جب ممکن الوقوع شئی کی دو سچے اور عادل خبر دیدیں تو اس کو تسلیم کرنا ضروری اور لازمی ہوتا ہے، یہ بالکل ایک مسلم اور ناقابلِ انکار حقیقت ہے، تو جب اعمال و اقوال، اعراض کے لئے وزن اور میزان کا ممکن الوقوع ہونا ثابت ہے اور وقوع کی خبریں بھی صادق مخبروں نے دیدی، تو اب ماننا پڑے گا جھٹلانے کی مجال نہیں ہو سکتی۔

اب سنو! میں ایسے مخبروں کا پتہ دیتا ہوں، اس پر معتزلہ کے کان کھڑے ہوئے کہ وہ مخبر ایسے کون ہیں۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

حضرت امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ سنو! اور غور سے سنو!

ایک تو حضرت حق سبحانہ تعالیٰ ہیں جن کی شان وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰہِ قِیْلًا ہے،

دوسرے صادق مصدوق حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن کی شان وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی ہے۔

معتزلہ نے کہا کہ انھوں نے کہاں خبر دی ہیں، امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ یہ باب ہی ہم نے اس کے بتلانے کے لئے قائم کیا ہے۔

سنئے یہ حق تعالیٰ کی خبر ہے جو سب خبروں سے سچی اور پکی ہے، فرماتے ہیں وَنَضَعُ الْمَوَازِیْنَ الْقِسْطَ لِیَوْمِ الْقِیٰمَۃِ۔ کہ ہم قیامت کے دن عدل وانصاف کی ترازو رکھیں گے۔

دوسری خبر مخبر صادق سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان گرامی ہے اِنَّ اَعْمَالَ بَنِیْ آدَمَ وَاَقْوَالَھُمْ تُوْزَنُ۔ اور ثَقِیْلَتَانِ فِی الْمِیْزَانِ والی حدیث، جب ان دو صادق مخبروں نے وزن اعمال واقوال ممکن الوقوع کی خبر دیدی تو اب وزن اعمال کے وقوع کا تسلیم کرنا ضروری اور لازم ہو گیا۔

بہر حال بیان حضرات صوفیائے کرام و بیان حکما، وفلاسفہ عقلاً اور بارشاد حضرت حق سبحانہ تعالیٰ شانہ وحضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نقلاً یہ ثابت ہو گیا کہ اعمال واقوال کا وزن ہونا بالکل صحیح اور ثابت اور میزان قائم ہونا واقعی اور بالکل برحق ہے۔

اس لئے اہل حق، اہل السنت والجماعت کہتے ہیں کہ یہ بات عقائد وایمانیات سے ہے کہ اعمال کا وزن ہوگا، میزان عمل قائم کی جائے گی، اس میزان اور ترازو کے پلڑے ایسے ہوں گے کہ ایک پلڑے میں ساتوں آسمان ساتوں زمین سما جائیں، نتیجہ یہ ہوگا کہ جس کے طاعات وحسنات کا پلڑا جھک جائے گا وہ جنت میں داخل ہوگا اور جس کے معاصی وسیئات کا پلڑا بھاری ہوگا وہ جہنم میں

toobaa-elibrary.blogspot.com

داخل ہوگا، اور جس کے خیر و شر، حسنات و سیئات، طاعات و معصیات برابر ہوں گے وہ دوزخ جنت کے بیچ مقام اعراف میں رہ جائے گا، آخر کار پھر جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔

یہ گفتگو اس پر تھی کہ نفس اعمال ہی کا وزن مانا جائے، تو یہ بھی محال نہیں، معتزلہ کا محال سمجھنا غلط اور محض باطل ہے۔

دوسری صورت وزن و میزان کی یہ بھی ہو سکتی ہے کہ صحف اعمال، نامہائے اعمال کا وزن کیا جائے، اس صورت میں لفظ اعمال سے قبل حدیث میں مضاف محذوف ہوگا اس کو مجاز بالحذف کہتے ہیں تو لفظ اعمال سے حدیث میں نامۂ اعمال، صحیفۂ اعمال مراد ہوگا، غرض یہ کلام بتقدیر مضاف ہوگا جیسا کہ عربی زبان میں اس کا استعمال شائع ذائع ہے، چنانچہ حدیث شریف میں ہے (جو اس حذف مضاف کے لئے مؤید اور صحف کے وزن کئے جانے کو مثبت ہے) کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک شخص کے لئے حکم ہوگا کہ اس کو جہنم میں لے جاؤ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے گذرے گا تو آپ فرمائیں گے کہ اس کو کہاں لے جا رہے ہو، فرشتے عرض کریں گے کہ اس کے معاصی و سیئات کا پلڑا بھاری ہو گیا، اس لئے اس کو دوزخ میں لے جانے کا فیصلہ ہو گیا، آپ فرمائیں گے کہ ذرا ٹھہرو! پھر واپس لے چلو، اس کے اعمال پھر وزن کئے جائیں، چنانچہ فرشتے دوبارہ وزن کریں گے، آپ ایک بطاقہ ذرا سا ٹکڑا اس کی نیکیوں کے پلڑے میں رکھ دیں گے جس سے وہ پلڑا جھک پڑے گا، بس اس کے لئے جنت میں جانے کا حکم ہو جائے گا اس شخص کا خوشی سے حوصلہ کھل جائے گا، عرض کرے گا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ کیا تھا، فرمائیں گے یہ وہ نامہ تھا جو تمہارے اخلاص کے ساتھ درود شریف پڑھنے پر مشتمل تھا، وہ میرے پاس محفوظ تھا جس کو میں نے تمہارے پلڑے میں رکھ دیا، اس سے معلوم ہوا کہ نامۂ اعمال کا وزن ہوگا۔

علاوہ اس واقعہ حدیث کے آیت شریفہ وَوُضِعَ الْكِتَابُ فَتَرَى

toobaa-elibrary.blogspot.com

الْمُجْرِمِيْنَ الاٰية اور وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِهٰذَا الْكِتَابِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّا اَحْصٰهَا وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا سے بھی معلوم ہوتا ہے ان کے علاوہ اور بھی ایسی آیات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ نامہ اعمال کا وزن ہوگا، اور اعمال نامے اجسام ہیں اور اجسام کا وزن معلوم ومعروف ہے اس میں کسی کو کلام نہیں، لہذا وزن ہونا اور میزان قائم ہونا درست اور صحیح رہا۔

تیسری صورت یہ بھی ممکن ہے کہ اعمال جسم میں ڈال دیئے جائیں جیسے روح کو جسم میں ڈالا جاتا ہے تو جسم کے ساتھ روح بھی چلنے پھرنے لگتی ہے، بدوں جسم کے بہت سے آثار وافعال سے روح عاجز تھی، جسم میں آنے کے بعد اس کے آثار وخواص بڑھ گئے، اسی طرح اعمال کو اجسام میں ڈال کر وزن کیا جائے گا۔

چوتھی صورت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ اعمال ذی جسم بناکر وزن کئے جائیں، جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ خود اعمال ہی مجسم کردیئے جائیں گے جب اعمال مجسم ہوگئے تو اب وزن میں کوئی اشکال ہی نہیں۔

تاہم راجح اور قوی یہی ہے کہ اعمال بذات خود وزن کئے جائیں گے، ابوداؤد ترمذی وغیرہ میں روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن میزان میں نیک خلق سے زیادہ کوئی چیز بھاری نہ ہوگی، اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن ترازو رکھی جائے گی اور نیکیاں اور بدیاں تولی جائیں گی جس کی نیکی ایک دانہ کی برابر بھی بدیوں پر بھاری ہوگی وہ بہشت میں جائے گا اور جس کی بدیاں اس کی نیکیوں سے ایک دانہ کے برابر بھی زیادہ ہوں گی وہ دوزخ میں جائے گا، اور جس کی نیکیاں اور بدیاں برابر ہوں گی، وہ اعراف میں ہوگا۔

بہرحال کسی طرح ہو براہ راست وبلاواسطہ ہو یا بواسطہ ہو، اعمال واقوال وزن ضرور کئے جائیں گے، اس لئے معتزلہ کا وزن ومیزان سے انکار سراسر غلط اور محض باطل ہونا ثابت ہوگیا۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

الحمد للہ امام بخاریؒ نے جو آیت برد معتزلہ بیان فرمائی تھی اس سے متعلق کہئے یا یوں کہئے کہ ترجمہ باب وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ اور اِنَّ اَعْمَالَ بَنِيْ اٰدَمَ وَقَوْلَهُمْ يُوْزَنُ آیت وحدیث سے متعلق جو آٹھ بحثیں تھیں وہ بتوفیقہ تعالیٰ بیان ہو چکیں۔

اب حدیث مسند جو معتزلہ کے رد میں امام بخاریؒ نے باب کے تحت پیش فرمائی ہے اس کے متعلق عرض کیا جاتا ہے، سو آیت کے مثل اس حدیث سے متعلق بھی چند بحثیں ہیں جیسا کہ شروع میں عرض کیا تھا۔ تجدید استحضار کے لئے ان کو اب پھر دوبارہ عرض کرنا مناسب ہے۔

سنئے! حدیث سے متعلق دس بحثیں ہیں، حق تعالیٰ کی توفیق وتائید اور اس کے فضل وکرم سے اب ان کو بیان کیا جاتا ہے۔

پہلی بحث لفظ اشکاب کے بارے میں

پہلی بحث، لفظ اشکاب کے متعلق ہے کہ یہ بفتح الہمزہ ہے یا بکسر الہمزہ؟ پھر منصرف ہے یا غیر منصرف؟

جواب یہ ہے کہ لفظ اشکاب کا اول اور آخر دونوں طرح سے ہے بالفتح بھی بالکسر بھی، اور منصرف بھی ہے اور غیر منصرف بھی، جو حضرات اس لفظ کو عربی مانتے ہیں ان کے یہاں بس علمیت ایک ہی سبب رہا اس لئے وہ منصرف کہتے ہیں۔

اور جو حضرات اس کو عجمی کہتے ہیں، ان کے یہاں علمیت اور عجمیت دو سبب جمع ہو جانے سے غیر منصرف ہوا۔

دوسری بحث محمد بن فضیل کی عدالت کے بارے میں

دوسری بحث یہ ہے کہ اس حدیث کی سند میں ایک راوی محمد بن فضیل ہیں جن کے متعلق کہا گیا ہے کہ شیعہ تھے، اور جب یہ شیعہ تھے تو یہ روایت صحیح نہیں ہوگی، تو پھر ان کی روایت امام بخاریؒ اپنی صحیح میں کیوں لائے؟ جب کہ وہ اپنی اس کتاب میں صحیح

toobaa-elibrary.blogspot.com

احادیث جمع فرمانے کا التزام فرمائے ہوئے ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ معمولی سی بات ہے کہ امام بخاریؒ کی رفعت مرتبت و جلالت قدر اور امامت فن حدیث متفق علیہ اور مقبول ہر خاص و عام ہے، جب ان کی شخصیت مسلم ہے اور یہ معلوم ہے کہ یہ بڑے نقاد ہیں، نہایت محتاط ہیں جہاں ذرا بھی شبہ ہوتا ہے تو اس کی حدیث کو ترک کر دیتے ہیں، چنانچہ ان کا یہ واقعہ مشہور ہے کہ ایک محدث کی خدمت میں حاضر ہوئے، وہ اس وقت جنگل میں اپنی گھوڑی پکڑنے گئے ہوئے تھے، امام بخاری بھی جنگل میں پہنچ گئے دیکھا کہ وہ محدث اپنا کرتا سمیٹے ہوئے ہیں جیسا کہ اس میں کوئی چیز لئے ہوئے ہوں، امام بخاریؒ نے دریافت کیا کہ آپ کیا کر رہے ہیں، انھوں نے فرمایا کہ میں اپنی گھوڑی پکڑنا چاہتا ہوں، امام بخاری نے دریافت فرمایا کہ کیا آپ کے کرتے میں کچھ ہے؟ ان محدث صاحب نے جواب دیا کہ نہیں، امام بخاریؒ نے عرض کیا کہ پھر کرتا اس طرح کیوں کئے ہوئے ہیں، فرمایا اس لئے تاکہ اس طرح کرنے سے گھوڑی دانہ سمجھ کر آجائے اور آسانی سے ہاتھ آجائے اس کے پکڑنے میں حیرانی اور وقت ضائع نہ ہو، بس اسی بات پر امام بخاریؒ یہ کہہ کر واپس ہو گئے اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ سفر بیکار ہی گیا جو شخص جانوروں کو دھوکہ دے اس کی حدیثوں ہی کا کیا اطمینان، اور جس حدیث کو سننے کے لئے ان کے پاس گئے تھے وہ حدیث ان سے سنے بغیر ہی واپس چلے آئے۔

تو جو شخص اس قدر محتاط ہو اس کے ساتھ حسن ظن رکھنا ضروری ہے۔ بھلا وہ ایسے شخص سے جس میں تشیع ہو کیسے حدیث اخذ کر سکتا ہے اور اس کی حدیث کیسے نقل کر سکتا ہے، معلوم ہوا کہ محمد بن فضیل جن کو امام بخاریؒ اس حدیث کی روایت میں لائے ہیں ان میں تشیع کی بات محض الزام ہے جو بالکل غلط ہے۔

دوسرے اس وجہ سے بھی یہ بات قابل تسلیم نہیں کہ راوی حدیث محمد بن فضیل سے روایت لانے میں حضرت امام بخاری منفرد نہیں بلکہ دوسرے اصحاب صحاح

toobaa-elibrary.blogspot.com

نے بھی ان سے روایت کی ہے ان کی روایت اپنی کتابوں میں لائے ہیں۔ یہ فعلی تائید وعملی توثیق ہوئے محمد بن فضیل کی۔

تیسرے ائمہ جرح وتعدیل نے قولاً بھی توثیق فرمائی ہے، چنانچہ صاحب میزان الاعتدال نے فرمایا ہے ھو صادق مشھور صاحب الحدیث۔

امام احمد بن حنبلؒ نے ان کے متعلق ھو صدوق فرماتے ہیں، یہ تو اعلیٰ درجہ کا ثقہ ہونا مذکور ہوا۔

اور امام نسائیؒ نے ان کے بارے میں لا باس بہ فرمایا ہے، اور دیگر ائمہ امام ابوداؤد وغیرہ نے انھیں اوسط میں داخل فرمایا ہے۔

غرض اصحاب صحاح کی فعلی توثیق کے ساتھ قولی توثیق بھی ثابت وموجود ہے اس لئے محمد بن فضیل کے بارے میں تشیع کا محض تہمت اور الزام بے اصل ہے جس سے ان کی شخصیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا، یہ جواب تو علی سبیل الترقی ہوا۔

دوسرا جواب علی سبیل التنزل یوں کہا جاسکتا ہے اگر ان کا تشیع تسلیم بھی کرلیا جائے تو اس تشیع کے لفظ ومعنیٰ اور کیف ومتیٰ میں گفتگو کرنا ضروری ہے۔

لفظ تشیع کے معنی وغیرہ

تفصیل اس کی یہ ہے کہ لفظ تشیع کے دو معنے ہیں ایک عرفی، ایک اصطلاحی۔

اصطلاحی معنی ہوں تو اصطلاح محدثین میں یہ لفظ رواۃ کے چوتھے طبقہ پر بولا جاتا ہے، تو اس معنی کے اعتبار سے محمد بن فضیل کے اہل تشیع ہونے کا مطلب یہ ہوا کہ رواۃ مقبولین میں یہ چوتھے طبقہ کے راوی ہیں، تشیع بمعنی عرف عام یعنی شیعہ نہیں لہٰذا جب یہ شیعہ نہیں بلکہ معتبر راوی ہیں تو روایت کا صحیح لذاتہ ہونا اپنی جگہ ثابت رہا۔

تیسرا جواب، اور اگر اس لفظ تشیع کے معنی عرفی ہی لئے جائیں یعنی یہی مان لیا جائے کہ یہ شیعہ تھے تو صرف اتنی بات اور مطلق شیعہ ہونے سے ان کا غیر معتبر ہونا لازم نہیں آتا، اس لئے کہ شیعہ چار قسم کے ہوتے ہیں، اول منکر قطعیات اور حلول کے قائل یہ کافر ہیں، دوسرے وہ لوگ جو حضرات صحابہ کو سب وشتم کرتے ہیں یہ ضال

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہیں، تیسرے وہ لوگ جو حضرات صحابہ کو سب وشتم تو نہیں کرتے مگر حضرات شیخین پر حضرت علی کو ترجیح دیتے ہیں تفضیل علی بر شیخین کے قائل ہیں یہ فاسق ہیں، چوتھے وہ جو حضرت عثمان پر حضرت علی کو فضیلت اور ترجیح دیتے ہیں، یہ نہ کافر ہیں نہ ضال ہیں نہ فاسق ہیں البتہ خاطی ہیں، ان میں سے چوتھی قسم کے شیعہ کی روایت محدثین کے یہاں مقبول ہے تو ہوسکتا ہے کہ محمد بن فضیل کو شیعہ چوتھے قسم کے کہا گیا ہو، ایسی صورت میں حدیث شریف کے صحیح لذاتہ ہونے میں کوئی خلل نہیں آتا، یہ تیسرا جواب ہوا، یہ تین جوابات تو منقول و مشہور ہیں۔

چوتھا جواب۔ یہ بندے نے کہیں منقول نہیں دیکھا نہ کسی سے سنا بلکہ خود اپنے ہی ذہن میں آیا، اور وہ یہ کہ اگر ہم یہ بھی مان لیں کہ یہ شیعہ یعنی بمعنی رافضی تھے تو ہوسکتا ہے کہ اس حدیث کی روایت کے وقت رافضی نہ ہوں بلکہ بعد روایت کے رفض اختیار کیا ہو جس پر دلیل اصحاب صحاح کا ان سے روایت کرنا اور ان کی روایت کو قبول کرنا ہے مولانا حبیب احمد صاحب کیرانوی اور مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی نے میرے اس جواب کو بہت پسند فرمایا تھا، اور بعد روایت رفض حادث صحت حدیث میں قادح و مانع نہیں ہوتا۔

لہذا روایت کے بعد تشیع کا اتہام روایت کے صحیح لذاتہ ہونے پر کوئی اثر انداز نہیں ہوسکتا، الحاصل حدیث شریف صحیح لذاتہ[عہ] ہے، محض وہم و احتمال سے اس کی صحت مخدوش نہیں ہوسکتی، یہ دوسری بحث سند سے متعلق تھی جس کا مفصل بیان ہوچکا

تیسری بحث حبیب کی نسبت رحمٰن کیطرف ہونیکا راز

تیسری بحث متن حدیث سے متعلق ہے اور وہ یہ کہ کلمتان حبیبتان الی الرحمٰن میں حبیب ہونے

عہ صحیح لذاتہ وہ حدیث ہوتی ہے جس میں پانچ وصف ہوں۔ (۱) شذوذ سے خالی ہونا (۲) علت سے خالی ہونا (۳) سند میں کسی راوی کا نہ چھوٹنا (۴) راوی کا عادل ہونا (۵) راوی کا تام الضبط ہونا۔ اس حدیث میں یہ پانچوں وصف ہیں، پس یہ صحیح لذاتہ ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

کی نسبت رحمٰن کی طرف کیوں فرمائی؟ بجائے اسم صفت رحمٰن کے اسم ذات لفظ اللہ کی طرف نسبت کیوں نہ فرمائی؟ حالانکہ ذات اور وصف دونوں میں اصل ذات ہی ہے اس کا تقاضا تھا کہ الی الرحمٰن کے بجائے الی اللہ کہا جاتا تو نظراً الی الاصل الی الرحمٰن فرمانے میں تغیر عنوان ہے اور عدول عن الاصل، عدول عن الظاہر ہے، پھر اس کو کیوں اختیار فرمایا؟ اس میں کیا نکتہ، کیا راز، کیا حکمت ہے؟

سو بات یہ ہے کہ حبیبتان الی الرحمٰن فرمانے میں یہ بات مضمر ہے، اس مضمون پر دلالت اور اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ رحمٰن کی رحمت کا یہ تقاضا ہوا کہ کام تھوڑا اور انعام زیادہ، کم کام زیادہ دام[ع] یعنی اس ذات عالی صفات کی رحمت کی وسعت اور کشادگی اپنے بندوں پر اس درجہ ہے کہ تھوڑے عمل پر بہت ہی زیادہ اجر و ثواب عطا فرماتے ہیں، حدیث شریف میں آتا ہے من قال سبحان اللہ و بحمدہ فی یوم مائۃ مرۃ حطت خطایاہ وان کانت مثل زبد البحر۔ کہ جو شخص سو مرتبہ سبحان اللہ و بحمدہ کہہ لے اس کے گناہ سمندر کے جھاگوں کے برابر بھی ہوں گے تو بھی معاف کر دیئے جائیں گے۔ انتہا یہ کہ جو لقب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے "حبیب" وہی لقب ان ہلکے پھلکے دو کلموں کے زبان پر لانے والے امتی کو عطا فرما دیتے ہیں، چونکہ کلموں کی محبوبیت سے یہاں ان کلموں کے کہنے والے کی محبوبیت ہی مراد ہے،

اللہ اکبر! کیا ٹھکانا ہے اس کی رحمت بے انتہا کا کہ زبان پر نہایت خفیف ہلکے پھلکے کہ بولنے میں کم حرف، ادائیگی میں نہایت سہولت و سلاست، نیز نفس پر کوئی بوجھ نہیں، طبیعت پر گراں نہیں کہ سخت و دشوار کام ہو جس کے کرنے میں مشقت ہو، بلکہ

ع اس پر یہ بھی فرمایا تھا کہ جیسے چھ گھنٹے تعلیم دینے، پڑھانے کے بجائے چار گھنٹے، تین گھنٹے ہی پڑھائیں مہینہ میں اگرچہ دس ہی روز کام کرے، سال میں چند ہی ماہ کام کیا مگر مہتمم مظہر رحمانیت بنا ہوا ہے کہ پورا ہی دن، پورا ہی مہینہ، پورا ہی سال سمجھ لیا، اس لئے اجر و مشاہرہ پورا کا پورا ہی رکھا، خیال کر لیا کہ کیوں زبان پر لایا جائے۔ یہ کرم کے خلاف ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہلکے پھلکے ردکئے کو! قلیل کلام نہیں جس کی انجام دہی سے دماغ تھکے رحمت کی وسعت اس درجہ کہ میزان میں وزن کے وقت بہت بھاری، اجر و ثواب بیشمار جس سے زمین آسمان کے درمیان کی فضا بھر جائے اور لقب حبیب ملے، اس لئے الی الرحمٰن فرما کر اس ذات پاک سراپا رحمت و کرم کی رحمت کی نہایت وسعت پر دلالت فرمائی۔

فرماتے ہیں کہ یہ کلمے بڑے محبوب، نہایت پیارے ہیں، اس کو سن کر شاید کسی کو یہ خیال ہوتا کہ جب ان کا یہ مرتبہ ہے تو یہ کلمے بڑے بھاری ہوں گے بڑا مجاہدہ ہوگا، اس لئے کہ بڑی اور عظیم شے کے لئے محنت مشقت بھی بڑے بڑے برداشت کرنا ہوتی ہے ان العطایا علی متن البلایا اصول بھی یہی بتلاتا ہے اور کلموں کا دو ہونا بھی اس طرف اشارہ کر رہا ہے کہ وہ اپنی عبارت کے اعتبار سے طویل ہوں گے کیونکہ عظمت اجر کی نسبت ان دو کلموں کی طرف ہونا اس کو مقتضی ہے کہ ان میں بھی کوئی عظمت ضرور ہے تو کم سے کم عبارت ہی طویل ہوگی، اس وہم کو اگلے الفاظ میں دفع فرمادیا۔

ارشاد ہوا خفیفتان علی اللسان یعنی یہ خیال نہ کرو کہ مشقت اور کلفت زیادہ ہوگی، میں کہہ چکا ہوں کہ وہ رحمٰن کی طرف سے ہیں اس کو محبوب ہیں، تو رحمانیت کا تقاضا ہوا کہ جب وہ کلمے حبیب ہیں تو ان کے ادا کرنے اور پڑھنے والے کو بھی دگویا وہ فرماتے ہیں کہ میں اپنے حبیب کا لقب دیتا ہوں اس کو حبیب بنالیتا ہوں، تو جب کام کرنے والا بھی حبیب اور کلمے بھی حبیب تو یہ رحمانیت کے شایاں اور مناسب نہ ہوگا کہ وہ ان کلموں کو بھاری بنادے، اس لئے گویا یوں فرماتے ہیں بھاری نہ سمجھنا، اس سے خوف و ہیبت کو دور کردیا، ترغیب و تشویق فرمادی حوصلہ بڑھادیا اور حبیب فرما کر ان کی فضیلت بھی بیان فرمادی، فرماتے ہیں نہیں بھاری نہیں ہوں گے پھر رحمانیت ہی کیا ہوئی وہ تو نہایت ہی ہلکے پھلکے ہیں زبان پر بہت آسانی سے جاری ہوتے ہیں، دماغ میں تھکاوٹ نہیں آتی بدن پر مشقت نہیں پڑتی، اس سے سامعین کا دل بڑھ گیا، اب یہ

؎ حضرت والا کی طبیعت شریفہ، ذہن عالی، قلب صافی نہایت انشراح و انبساط پر تھے، اسی جوش مسرت میں یہ کلمات زبان مبارک سے ارشاد فرمائے کہ سب دفع دخل مقدر ہو رہے ہیں، اب رات ہے وقت تنگ ہے دن ہوتا تو بتلاتا۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

سن کر کہ وہ تو بہت ہلکے پھلکے اور معمولی ہیں تو گویا خیال میں یہ بات آتی یا آسکتی تھی کہ مزدوری اور ثواب بھی چلتا پھرتا یوں ہی معمولی سا ہوگا، اس وہم اور خیال ضعیف کو رفع فرمایا کہ یوں خیال نہ کیا جائے، تم لوگ دنیا ہی کی چیزوں اور دنیا ہی کے معاملات اور یہاں ہی کی عادات پر وہاں کی چیزوں کو جانچتے تولتے اور سمجھتے بوجھتے ہو، وہاں کا معاملہ اور ہے، وہاں منعم حقیقی انعام واکرام، اجر وثواب عطا فرمانے والے ہیں، اس لئے ان معمولی اور ہلکے پھلکے نہایت آسان کاموں کا اجر بہت بھاری اور نہایت وزنی اور زبردست ہوگا، فی المیزان ترازو میں، تولنے میں بہت ہی بھاری بھرکم ہوں گے، اس لفظ سے ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت ہے۔ وہ کلمے اتنے ثقیل عظیم الاجر ہیں کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک دفعہ کہہ دینے سے زمین وآسمان اور ان کے درمیان سب بھر جاتے ہیں، اب ظاہر ہے کہ اتنے بڑے اجر کو تولنے کے لئے ترازو بھی ایسی ہی ہونی چاہئے اس لئے وہ ترازو ایسی ہوگی کہ ساتوں آسمان وزمین اس میں سما جائیں۔

بہرحال کام بہت ہلکا نہایت معمولی اور بہت آسان اور اجرت ومزدوری ثواب بہت زیادہ اور زیادہ سے زیادہ تو حبیب فرما کر فضیلت اور قربت عند الرحمٰن اور تشویق ورغبت سب کچھ فرمادیا، خفت عمل، ثقل میزان سے ہمت افزائی اور حوصلہ فراخ فرمادیا، اسی وجہ سے اللہ کے بجائے رحمٰن کی طرف نسبت فرمائی۔

چوتھی بحث سبحان کی اضافت لفظ اللہ کی طرف ہونیکا راز

چوتھی بحث سبحان

کی اضافت اسم ذات کی طرف کیوں فرمائی جب کہ اس سے قبل اسم صفت کو اختیار فرمالیا گیا تھا اور حبیبتان الی الرحمٰن میں رحمٰن کی طرف نسبت کی تھی اسی کی طرف یہاں بھی اضافت فرمادیتے سباق اور ظاہر کے موافق ہوجاتا؟

جواب یہ ہے کہ سبحان وصف پر دال ہے اور وصف کی نسبت ذات کی طرف ہونا زیادہ لائق ہوتا ہے نہ کہ وصف کی طرف اور اسم ذات اور علم یہی لفظ اللہ ہے اس لئے سبحان کی نسبت اللہ کی طرف فرمائی۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

پانچویں بحث وبحمدہ میں واو کس قسم کی ہے

پانچویں بحث یہ ہے کہ واو بحمدہ میں کیسا ہے؟

سو یہ واو حالیہ، عاطفہ، استینافیہ تینوں طرح کا ہو سکتا ہے، حالیہ ہونے کی صورت میں تقدیر عبارت یہ ہوگی، اسبح سبحان اللہ ملتبسًا بحمدہ من اجل توفیقہ تعالیٰ واو عاطفہ مانا جاوے تو تقدیر عبارت یہ ہوگی اسبح سبحان اللہ واتلبس بحمدہٖ اور استینافیہ کہا جاوے تو بحمدہ کی بار محذوف مقدم سے متعلق ہوگی، تقدیر عبارت یہ ہوگی، اسبح سبحان اللہ واثنیٰ علیہ بحمدہ اس صورت میں سبحان اللہ مستقل جملہ اور بحمدہ دوسرا جملہ ہوگا۔

چھٹی بحث تسبیح کو تحمید پر کیوں مقدم کیا

چھٹی بحث تسبیح کو تحمید پر کیوں مقدم کیا؟ جواب یہ ہے

اس کو خوب غور سے سننا کہ صفات دو قسم کے ہوتے ہیں، ایک وجودی ایک سلبی، اصل صفات وجودی۔ وجود، حیات، علم، قدرت، ارادہ، کلام، سمع، بصر ہیں کہ ہمہ وقت ذات کے ساتھ ہیں، ذات احد ہمیشہ، ہر وقت، ہر آن ان کے ساتھ متصف ہے۔ بخلاف دیگر صفات کے ان کی یہ شان نہیں، مثلاً اماتت کا وجود موت مخلوق کے ساتھ اسی کے مثل دیگر صفات کا حال ہے کہ حادثات اور مخلوقات سے تعلق کے وقت ان کا ظہور ہوتا ہے۔ ان صفات وجودیہ وجود، حیات، علم، قدرت، ارادہ، کلام، سمع، بصر کو صفات ایجابیہ بھی کہا جاتا ہے، اور ان کے بالمقابل لم یلد، لم یولد، لا مثل لہ وغیرہ کو صفات سلبیہ اور اسماء جلالیہ کہا جاتا ہے۔ اب سمجھئے کہ یہ دو کلمے سبحان اللہ وبحمدہٖ ان دونوں قسم کی صفتوں پر دلالت کر رہے ہیں، لفظ سبحان سلبی صفت پر دال ہے اور بحمدہ صفت وجودی پر دلالت کر رہا ہے۔

اس تمہید کے سن لینے کے بعد اب اصل جواب سمجھنے کی کوشش فرمایئے، سوال یہ تھا کہ لفظ سبحان کو حمد پر کیوں مقدم کیا، سو اس کی وجہ یہ ہے کہ لفظ سبحان صفت سلبی پر دال ہے تنزیہ باری تعالیٰ کو ظاہر کر رہا ہے، حق تعالیٰ کو پاک و منزہ ہونا بتلا رہا

toobaa-elibrary.blogspot.com

کتب خانہ مدرسہ عربیہ ... نمبر ۵۵۶

ہے یعنی حق تعالیٰ ہر عیب ونقص سے بلند وبالاتر ہے اور پاک وبرتر ہے اور یہ شان الوہیت کے لئے اولین اور مقدم ترین ہے، اس لئے کہ سب سے پہلے معبود اور ذات الوہیت کے لئے یہی لازم ہے کہ اس کو ہر نقص وعیب سے بری اور پاک یقین کرے، اس کے بغیر الوہیت محقق نہیں ہوتی، اس لئے کہ وہ الٰہ اور خدا ہی کیا ہوا جس میں کوئی نقص اور عیب ہو، لہٰذا اولاً تنزیہ ضروری ہے، جب تنزیہ ثابت ہوگئی تو پھر کمال ہی کمال ثابت رہ جاتا ہے اور ذات الٰہ کا سراپا کمال ہونا ثابت اور ظاہر ہوجاتا ہے، اس لئے لفظ سبحان کو پہلے لائے جو تنزیہ کے لئے موضوع ہے، اس کے بعد حمد کو لائے جو جملہ خوبیوں اور کمالات پر دال ہے۔

پہلے تخلیہ پھر تجلیہ وتحلیہ

دوسری بات جو غور کرنے سے یہیں سے نکلتی ہے یہ ہے کہ قاعدہ ہے اور ترتیب طبعی ہے کہ پہلے تخلیہ ہوتا ہے پھر تجلیہ، اسی واسطے صوفیاء محققین پہلے رذائل اور نقائص سے تخلیہ اور نفس کا تزکیہ کراتے ہیں پھر اخلاق حمیدہ اور ملکات فاضلہ سے تجلیہ اور تحلیہ کرتے ہیں۔

برتن پر قلعی کرنے کے لئے پہلے اس کے میل کچیل کو دور کیا جاتا ہے، اصل اور طبعی ترتیب اور دستور وقاعدہ یہی ہے، اس لئے حدیث شریف میں بھی ذات باری عزّ شانہٗ وجل مجدہ کے لئے تنزیہ کا کلمہ اولاً لانا مطابق ترتیب فطری اور مقتضائے حکمت ہوا، اس کے بعد کمالات کا بیان کرنا موزوں ومناسب اور انسب والیق ہوا۔

گویا ہم کو یہ بتلادیا کہ تمہاری زبان سے پہلے یہ بات نکلے کہ میرے خدا کی ذات والا صفات تمامترین نقائص اور عیوب سے پاک ترین ہے، اس کے بعد خوبیاں اور کمالات بیان ہوں کہ جو بھی کمالات ہوسکتے ہیں وہ لامتناہی طور پر میرے خدائے پاک میں موجود ہیں، اس کے کمالات کو کوئی نہیں پہنچ سکتا بلکہ کسی کا وہم وگمان بھی نہیں اڑسکتا ادراک وفہم کی وہاں تک رسائی نہیں ہوسکتی۔

بہرحال اصلی اور فطری ترتیب یہی ہے کہ اول تخلیہ ہوتا ہے پھر تجلیہ وتحلیہ ہوتا ہے

toobaa-elibrary.blogspot.com

پہلے کپڑوں پر استری یا عطر لگانا عقلمندی کی بات نہیں ہوتی، عقلمندی اور دانشمندی کا تقاضا یہی ہوتا ہے کہ اول کپڑوں کے میل کچیل کو دور کر کے کپڑوں کو صاف کیا جائے صابن وغیرہ سے میل بالکل دور کر دیا جائے پھر زینت کے لئے استری پھر عطر کا استعمال ہو، اسی طرح یہاں ہوا کہ پہلے تنزہت و پاکی پھر کمال وحسن وخوبی کو بیان فرمایا۔

سبحان اللہ وبحمدہ کلمہ توحید کی تعبیر ہے

سبحان سے نفی اور سلب نقائص و معائب اور حمد سے اثبات محاسن وکمالات کیا گیا، یہی نفی و اثبات کلمہ لاالہ الا اللہ میں ہے تو گویا دوسرے لفظوں میں یہ تعبیر لاالہ الا اللہ کی ہے کہ کلمہ توحید میں اول نفی پھر اثبات اسی طرح یہاں سبحان اللہ گویا تعبیر لاالہ کی اور بحمدہ تعبیر الا اللہ کی ہے۔ تو دونوں کلمہ مل کر بعنوان دیگر لاالہ الا اللہ کی تعبیر ہے۔

ساتویں بحث سبحان کو مکرر کیوں لایا گیا

ساتویں بحث یہ تھی کہ سبحان پہلے آچکا، پھر دوبارہ مکرر کیوں لایا گیا، تکرار الفاظ تو کلام میں پسندیدہ نہیں سمجھا جاتا، جواب یہ ہے کہ تکرار مطلقاً یعنی ہر تکرار کلام میں نقص اور عیب نہیں ہوتا، بلکہ وہ تکرار ناپسندیدہ ہوتا ہے جو بے فائدہ اور بے کار و لاحاصل ہو، اور جس تکرار سے فائدہ اور اس میں مصلحت ہو وہ تو ضروری ہوتا ہے۔

چنانچہ یہاں حدیث میں لفظ سبحان کا مکرر لانا بیکار اور بے فائدہ نہیں ہے۔ خالی عن الحکمۃ عاری عن المصلحت نہیں بلکہ اس کی مختلف ومتعدد وجوہ اور حکمتیں ہیں،

۱ چونکہ شرک کثرت سے پایا جاتا ہے حالانکہ شرک بہت بھاری عیب اور نقص عظیم ہے چونکہ یہ عجز ماننے کو مستلزم ہے اس لئے کہ شریک ٹھہرانا علم، عقل، رائے تدبیر میں قدرت وتصرف کے نفاذ وغیرہ میں ضعف وکمزوری، عجز ولاچاری کی وجہ سے ہوتا ہے، دوسرے کو شریک اس لئے کیا جاتا ہے کہ بوجہ ضعف وعجز تن تنہا کسی کام کے انجام دینے سے قاصر ہے تو گویا مشرک شرک کر کے ذات وحدہ لاشریک

toobaa-elibrary.blogspot.com

کے لئے علم، ارادہ، قدرت، تصرف وغیرہ کے نافذ کرنے میں دوسرے کی طرف احتیاج مانتا ہے اور عجز و احتیاج کی نسبت انتہائی گندی اور کمینہ خصلت ہے اور محض باطل و بیہودہ حرکت ہے، حق تعالیٰ کی ذات عالیہ ہر صفت ہر کمال میں بے انتہا ہے، وہاں عجز کا تو شائبہ اور واہمہ تک بھی نہیں، اس لئے تنزیہ کا تکرار و تکثر نفی شرک کی تاکید اور مشرکین کو زجر و توبیخ ہے، چونکہ سبحان اللہ تنزیہ پر دال ہے یعنی یہ لفظ بتلاتا ہے کہ وہ عجز وغیرہ تمام صفات نقص و عیب سے پاک ہے اور جب وہ عجز سے پاک ہے تو علم کے اعتبار سے اور بر طابق علم، تصرف اور نفاذ میں اس کو کسی کی بھی نہ احتیاج ہے نہ افتقار، پھر شرک کیسا، لہٰذا بطور تاکید و زجر کے سبحان اللہ کو ابطال شرک کے لئے مکرر فرمایا۔

۲۔ حق تعالیٰ کی صفات جیسا کہ عرض کیا گیا دو قسم کی ہیں، ایجابی و ثبوتی، سلبی و تنزیہی، ان دونوں قسموں میں سے صفات تنزیہیہ کو آیات و علامات سے عقل سمجھ سکتی ہے عقل سے ان کا ادراک ہو سکتا ہے ان کا جان لینا آسان ہے، بخلاف صفات ایجابیہ ثبوتیہ کے کہ دال علی الکمالات ہیں ان کا جاننا مشکل ہے چونکہ کمالات اور خوبیاں معلوم کرنے سے عقل و ادراک عاجز و قاصر ہیں۔ سو اس لئے کہ ہر مکلف عقل رکھتا ہے پس عقلی چیز اور عقل کے ذریعہ حاصل ہونے والی چیز کا بار بار اظہار و اقرار کرا کے مکلفین کو جگانا اور مقتضائے عقل سے آگاہ کرنا اور غفلتوں سے نکالنا ہے اور یہ بتلانا ہے کہ جو چیز عقلی ہے اس کے اقرار و اظہار سے باز نہیں رہنا چاہیئے نہ کوتاہی کرنا چاہیئے بلکہ دوام و تکرار، ثبات و استقلال، پختگی و مضبوطی کے ساتھ اس پر قائم و دائم رہنا ضروری ہے، اسی طرف اشارہ کرنے کے لئے لفظ سبحان کو مکرر، دو بار لایا گیا، نیز اس میں بایں طور تاکید ہے کہ عقل کا خود تقاضا ہے کہ شرک منفی اور باطل ہو، خلاصہ یہ کہ عقلاً بھی شرک باطل ہے۔

۳۔ تیسرے یہ کہ حقائق صفات الٰہی کی معرفت بطریق سلب بھی ہوتی ہے مثلاً علم ہے اس کی معرفت اس طرح ہوگی کہ اس میں جہل نہیں اسلئے کہ وہ عظمت شان

toobaa-elibrary.blogspot.com

سے وہ ذات بالکلیہ منزہ ہے اور جہل خلاف عظمت شان ہے، لہذا وہ جہل سے پاک ہے پس علم اس کے لئے ثابت ہے۔

اس لئے سبحان اللہ کو مکرر لایا گیا کہ تنزیہ باری تعالیٰ مختلف عنوانوں کے ساتھ کثرت و تکرار کے ساتھ بیان کی جاوے تاکہ ذات احد کی نزہت و تنزیہ اوقع فی النفس ہو، اور لوگ شرک سے باز آویں۔

جس طرح تنزیہیات کا علم و ادراک آیات و علامات اور کائنات میں نظر و فکر کرنے سے حاصل ہوتا ہے اسی طرح اضداد کے جاننے سے بھی ہوتا ہے، چنانچہ عقلاء و حکماء کا مشہور قول ہے الاشیاء تعرف باضدادھا۔ نیز حضرت لقمان علیہ السلام سے کسی نے دریافت کیا کہ آپ نے اتنا زبردست علم و حکمت اور اس قدر دانش و عقلمندی کہاں سے اور کس طرح حاصل فرمائی، جواب دیا کہ میں نے یہ بیوقوفوں سے حاصل کی، سائل متحیر اور متعجب ہوا تو فرمایا تعجب کی بات نہیں یہ بات صحیح ہے چونکہ میں واقعات و حالات کو غور سے دیکھتا تھا اور سوچتا تھا، جب کسی کے قول و فعل پر نقصان و زیاں، ذلت و کمتری کا ترتب دیکھتا تو یقین کرتا کہ اس کے برعکس اس قول و فعل کے برخلاف کرنے میں یہ نہ ہوتا تو اس طرح بیوقوفوں کم عقلوں اور جاہلوں، نادانوں اور کاہلوں کے افعال و حرکات و احوال کے ضدی پہلوؤں کو مستحضر رکھتا رہا۔ دیکھئے کیا خوب بات ارشاد فرمائی، سچ ہے۔ ؎

اذا المرء کانت لہ فکرۃ ففی کل شئ لہ عبرۃ

کہ جب آدمی سوچ و فکر سے کام لیتا ہے تو اس کو ہر شئ میں عبرت اور نصیحت حاصل ہوتی ہے۔

اسی طرح ایک ظریف المزاج مولوی صاحب فرماتے تھے کہ مجھے جب کوئی امر قابل مشورہ پیش آتا ہے اور مشیر نہیں ملتا تو میں اپنی بیوی سے مشورہ کرتا ہوں جو مشورہ وہ دیتی ہیں میں سمجھ لیتا ہوں کہ از روئے حدیث عورتوں میں کجی ہوتی ہے تو لامحالہ ان کی عقل و فہم میں بھی کجی ہوتی ہوگی، اس لئے میں بیوی کے مشورہ کے برعکس

toobaa-elibrary.blogspot.com

صورت اختیار کرتا ہوں اور الحمد للہ اسی میں خیر ہوتی ہے، میرا تو یہی تجربہ ہے تو بات یہ ہے کہ اضداد جاننے سے بھی صفات کا علم ہو جاتا ہے، پس جہل کی نفی سے ثبوت علم اور ضعف و عجز کی نفی سے قوت و قدرت ثابت اسی طرح جملہ صفات و کمالات کا پہچاننا آسانی سے ہو سکتا ہے، سبحان اللہ میں یہی پہلو اختیار فرمایا گیا اور تکرار سے اس کی تاکید اور تقویت مقصود ہے۔

۴۔ چوتھے شان رحمانیت کا بھی یہ تقاضا ہے کہ وہ اپنے بندوں کو ہر خلاف عقل اور ضرر کی بات سے بطور تاکید مکرر سہ کرر مختلف عنوانوں سے تنبیہ کر دے کہ باز آجاویں اور شرک کو چھوڑ کر توحید میں آویں اور اس ذات عظیم سے اجر عظیم پاویں۔ پس یوں کہیں سبحان اللہ و بحمدہ سبحان اللہ العظیم جس میں شرک کی نفی ہے اور توحید کا اثبات ہے اور یہی لا الہ الا اللہ میں ہے وہ عنوان تنزیہ کا اور تھا، اور یہ عنوان تنزیہ کا اور ہے، حاصل دونوں کا ایک ہے کہ شرک کی نفی اور توحید کا اثبات ہے اور یہی اعظم مقاصد سے ہے کہ اصل عظمت اللہ کی توحید ہے اس لئے وصف بھی اللہ کے ساتھ عظیم لائے، اور سبحان اللہ کو اول بھی آخر بھی تاکیداً مکرر فرمایا،

اس چوتھی وجہ کو بایں عنوان بھی بیان کیا جا سکتا ہے جو لفظ رحمٰن سے نکلتی ہے، پہلے ہی رحمٰن کا لفظ اختیار فرما کر اشارۃً بتلا دیا کہ حق تعالیٰ کو بندوں کے حال پر غایت شفقت اور بے انتہا رحمت ہے اور شفیق کی شفقت و رحمت کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ جو چیز اس کے متعلقین محبین خادمین کے لئے ضرر رساں اور مضر ہوتی ہے اس سے بچنے اور دور رہنے کی بار بار تاکید کرے جیسا کہ باپ بیٹے کو ایک آدھ بار سمجھانے پر بس نہیں کیا کرتا، اگر کوئی ایک آدھ مرتبہ کہہ کر فارغ ہو جائے تو وہ اپنے بیٹے پر شفیق اور مہربان نہیں۔

غرض شفیق اور مہربان باپ اپنی اولاد کو مضرت رساں اور نقصان دہ چیز سے بار بار منع کرتا ہے یہ دوسری بات ہے کہ بیٹا اپنی کج فہمی اور کم عقلی اور ناعاقبت اندیشی سے بار بار کہنے مکرر سہ کرر منع کرنے وقتاً فوقتاً ٹوکتے رہنے کو دشمنی سمجھنے لگے

toobaa-elibrary.blogspot.com

مگر پھر آگاہ کرنا ضروری سمجھے گا اور دل سے چاہے گا کہ کسی طرح یہ اس عیب و نقصان سے بچ جائے، ٹھیک اسی طرح حق تعالیٰ بندوں پر بے انتہا شفیق اور مہربان ہیں اس لئے باوجود بہت سے بندوں کو ناگوار ہونے کے مضر چیز سے آگاہ اور ضرر رساں شئی کے نقصانات اور بُرے آثار و نتائج سے آگاہ و خبردار فرماتے رہتے ہیں، چنانچہ صاف صاف فرماتے ہیں أفنضرب عنکم الذکر صفحًا ان کنتم قومًا مسرفین یہاں سے معلوم ہوا کہ جو استاد طلبہ کو بار بار ٹوکے اور نصیحت کرے وہ بہت اچھا اور بڑا ہمدرد اور مہربان اور مشفق ہے اس سے خوش رہنا چاہئے اس سے ناگواری اور ناخوشی کی کوئی وجہ نہیں، یہ اس کی شفقت اور مہربانی ہے کہ تمہیں بار بار انتباہ کرتا ہے غلط اور مضر شے سے روکنا اور بچانا چاہتا ہے، ایسا استاد بڑے قدر کے قابل ہے اس کی جتنی بھی قدر و عزت کی جائے کم ہے[۱]۔

یہی وجہ ہے کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ خواہ تم کو ناگوار ہو مگر میں بار بار منع کروں گا اسی طور پر سبحان میں شرک کی نفی اور توحید کا اثبات ہے مکرر اور بار بار نفی اور مذمت فرمائی اگرچہ مشرکین اور اہل شرک کو یہ گوارا نہ ہوا، اور صرف اسی جگہ نہیں بلکہ مختلف مواقع میں مختلف عنوانات سے شرک اور مشرکین پر انکار اور بار بار نفی و توحید کا اثبات فرمایا، کہیں لا الٰہ الا اللہ کے ذریعہ کہیں لا حول ولا قوۃ الا باللہ سے کہیں سبحان اللہ کے ذریعہ، اسی لئے ہم کو یہ تسبیح تعلیم فرمائی، یہ انتہائی شفقت اور بے انتہا رحمت اور لامحدود مہربانی کی بات ہے، اس وجہ سے سبحان کو مکرر لایا گیا تاکہ شرک سے نفور رہیں اور توحید کو قبول کریں، مقصود توحید ہی ہے، اسی کو مختلف عنوانات سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اس کا تکرار فرمایا جاتا ہے، اس لئے سبحان اللہ

---

[۱] یہاں حضرت والا پر عبدیت و تواضع اور شائیت کی شان کا غلبہ تھا اس لئے فرمایا تھا کہ مجھ سے چاہے خفا ہو تو میری اور بات ہے، گویا حضرت والا اپنے کو استادوں کے مرتبہ میں نہیں خیال فرما رہے اور اپنا کچھ حق نہیں سمجھتے۔ لیکن اپنے اساتذہ کو فکر و اہتمام کے ساتھ ادب و احترام خدمت و اطاعت سے خوش رکھنے کی کوشش رکھنا چاہئے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

کو مکرر لایا گیا، اب مختصر کر رہا ہوں۔

آٹھویں بحث اللہ کی صفت عظیم لانے میں نکتہ

آٹھویں بحث یہ تھی کہ اللہ کی صفت عظیم کے ساتھ کیوں لائے۔ جواب یہ ہے کہ عظیم ہونا عدم نظیر عدم مثل کو مستلزم ہے نیز عظیم اس کو کہتے ہیں کہ اس کے جو چیزیں لائق نہ ہوں وہ اس سے منفی ہوں اور جو لائق و زیبا ہو اس کا اثبات ہو اس میں کسی قسم کا عجز بلکہ شائبہ بھی نہ ہو، چنانچہ حق تعالیٰ سے جملہ نقائص اور ہر ہر عیب اور کمی منفی ہے اور کمالات لامحدود و بے انتہا اس کے لئے ثابت ہیں اور یہ نہایت جامع اور اہم صفت ہے، پس عظیم اسم ذات کے ساتھ لانا نہایت مناسب اور انسب و لائق ہوا۔

غرض عظیم میں وہ سب باتیں رکھی ہیں جو سبحان اللہ اور لا الہ الا اللہ میں ہیں۔ پس اس سے اشارہ ہوا کہ خواہ کسی طور سے کسی عنوان سے ہو توحید ضرور اختیار کی جاوے کہ یہ عظیم الفائدہ، اعظم النفع چیز ہے، اس طرح بندوں کے لئے غایت درجہ اور بے انتہا نفع کی چیز جو تھی توحید اس پر پھر تنبیہ فرما دی کہ اس کو اختیار کرو تاکہ تمہیں دنیا و آخرت میں عزت و عظمت حاصل ہو، ہر قسم کی بے عظمتی، بے عزتی، ذلت خواری فضیحت، رسوائی، حیرانی و پریشانی سے نجات رہے۔

نویں بحث اس حدیث کو بخاری شریف کے ختم پر کیوں لایا گیا

نویں بحث یہ ہے اور یہ آخری بحث ہے کہ امام بخاریؒ اس حدیث کو آخر میں کیوں لائے اس کو ذرا غور سے سننا چاہئے، اس حدیث کو آخر میں لانے کی متعدد وجوہ ہیں۔

ایک وہ ہے جو پہلے عرض کی تھی کہ ہر چیز کی ایک ابتداء ہوتی ہے ایک انتہا بخاری شریف کی بھی ایک ابتدا ہے اور ایک انتہا ہے، اسی طرح انسان کی بھی اس عالم میں ابتداء اور انتہاء ہے، اور قاعدہ ہے کہ ہر کام سے کوئی نہ کوئی فائدہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

اور اس سے کوئی غرض وغایت ضرور ہوتی ہے، تمام امور معلل بالاغراض ہیں جس[عہ] چیز کی کوئی غرض نہ ہو وہ لغو بیہودہ اور بے فائدہ وعبث اور بیکار ہے، خود اس عالم دنیا کی بھی ایک غرض وغایت ہے اور غرض شے اس کے آخر میں ہوتی ہے۔

حدیث الدنیا مزرعة الآخرة کی تشریح

اسی غرض دنیا کو حدیث شریف میں ارشاد فرمایا ہے الدنیا مزرعة الآخرة کہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے، معلوم ہوا کہ دنیا آخرت کی تیاری اور وہاں کیلئے سامان و توشہ فراہم کرنے اور وہاں کے لئے کام آنے والا ذخیرہ یہاں سے جمع کرنے کے لئے ہے اس کو ذرا تفصیل کے ساتھ سنئے۔

یوں فرمایا کہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے، اب دیکھئے کھیتی کس طرح ہوتی ہے، بیج کھیت میں ڈالا جاتا ہے اس کی آبیاری کی جاتی ہے۔ اس کے موانع و مضرات کو دفع کیا جاتا ہے، چنانچہ گھاس کانٹے وغیرہ کھیت سے کاٹے جاتے ہیں، جانوروں، چوروں، دشمنوں، آفتوں سے حتی الامکان حفاظت کی جاتی ہے تب کہیں جاکر کھیتی کا فائدہ اور ثمرہ حاصل ہوتا ہے، دنیا کو آخرت کی کھیتی فرمایا۔ یہاں بھی آخرت کے لئے کچھ بیج اور تخم ڈالے جاتے ہیں اور ان کو پروان چڑھایا جاتا ہے حفاظت کے ساتھ پالا جاتا ہے تب آخرت میں اس زندگی اور حیات دنیا کے منافع و فوائد اور ثمرات کا حصول ہوگا، یعنی انسان بھی کسان کی طرح ایک بیج کلمہ لا الٰہ الا اللہ دے کر اور دل و روح میں ڈال کر دنیا میں بھیجا گیا اور اس کی آبیاری، حفاظت، دیکھ بھال، چوروں، اچکوں، دشمنوں اور ان کے شروں سے نگہبانی، نگرانی کرتے رہنے اور صحیح سالم رہکر کھیتی کو بچالے جانے کا مامور و مکلف فرمایا گیا، پس جیسے کھیت میں بیج ڈال کر بے فکر ہو بیٹھنا اور عیش و آرام میں مشغول ہو رہنا، آبپاشی و نگرانی سے غافل اور بے خبر ہو جانا اور نتیجہ ملنے کے ثمرہ حاصل ہونے کے وقت امیدوار حصول ثمرہ رہنا کوئی کاشتکار نہ کرے گا بلکہ تخم ریزی کر کے ہمہ وقت چست و بیدار آمادہ کار مشغول و مصروف محنت و مشقت ہو جائے گا، اور برابر اس کی خدمت حفاظت اور پروان

عہ مشہور و مسلم اصول عقلی ہے الشئی اذا خلا عن فائدتہ لغا۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

چڑھاتے رہنے میں لگا رہے گا۔ ٹھیک اسی طرح انسان کو چاہئے کہ ایمان کا تخم لا الہ الا اللہ کے معانی و مطالب، موجبات و مقتضیات دل کی زمین کے کھیت میں ڈال کر اعمال صالحہ سے اس کی آبپاشی اور غذا رسانی برابر کرتا رہے تاکہ ایمان کی بڑھوتری اور زیادتی و ترقی ہو، اپنی ایمان کی کھیتی کو پروان چڑھاتا اور بڑھاتا چلا جائے الیہ یصعد الکلم الطیب والعمل الصالح یرفعہ سے اس کو ثابت کیا گیا ہے کہ کلمہ طیبہ کو ایمان کو پروان چڑھانے والی چیز وہ اعمال صالحہ ہیں،

دشمنانِ دین و ایمان، نفس و شیطان اور تمام ایمان و دین کی دولت لوٹنے لٹانے، کھونے کھوانے والے انسانی اور جنی چوروں، اچکوں سے نگہبانی کرتے اور بچتے بچاتے اصلی گھر اور دار آخرت خداوندی بیت الحفظ میں پہنچا کر جمع کر دے، عالم بالا میں آسمانوں میں سلامتی و حفاظت کے ساتھ روانہ کر دے، نیز گھاس تنکے کانٹوں کو صاف کروا دیجئے یعنی سیئات ہیں توبہ کی درانتی چلا کر انھیں چھانٹ دیجئے۔ مبادا یہ چیزیں ایمان کی کھیتی کو پروان چڑھنے اور بڑھنے سے نہ روک دیں، ایمان کی کھیتی ان میں دب کر نہ رہ جائے۔ اعمال صالحہ کی غذاؤں کو ایمان و ایمانیات کے پودوں سے ورے ہی چوس کر نہ رکھ دیں کہ پھر ایمان کی کھیتی میں دانے چھوٹے چھوٹے، پتلے اور باریک کمزور کمزور کچے اور ناقص رہ جائیں، اس طریقہ سے ایمان کی کھیتی کی جاوے تب کہیں وقت آخرت جو اس کھیتی کے کاٹنے کا وقت ہوگا ثمرہ بخوبی حاصل ہوگا۔ پھر جس طرح دنیا میں کھیتوں کے تفاوت، کاشتکاروں کی محنتوں کے تفاوت سے ثمرات اور کھیتوں کی پیداوار میں تفاوت ہوتا ہے، اسی طرح آخرت میں بھی ایمان کی کھیتیوں اور ایمان سے متعلق محنتوں اور غفلتوں کے اعتبار سے نتائج میں اختلاف و تفاوت ہوگا، چنانچہ ارشاد ہے فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ۝ وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ نیز فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ۝ تو دنیا میں

toobaa-elibrary.blogspot.com

اعمال، مشاق واحمال کا تعلق ہے، اور اعمال کا ایک مبدأ ہے ایک منتہا و ثمرہ مبدأ اعمال حسن نیت واخلاص ہے اور منتہا اجر و ثواب ہے۔ اس لئے نیت کا بیان انما الاعمال بالنیات کے تحت امام بخاریؒ شروع میں لائے مگر نیت ایک باطنی اور مخفی چیز ہے جس پر حکم لگانا بدون ذات علیم و خبیر، عالم الخفیات والسرائر کی اطلاع کے قابل قبول نہ تھا، اس لئے وحی جو عالم الغیب والشہادۃ کی خبر و اطلاع کا نام ہے وہ موقوف علیہ تھا اس حکم نیت کے لائق اعتبار ہونے کے لئے، اس لئے اس سے شروع فرمایا، اور موقوف کا شروع کرنا موقوف علیہ ہی سے ہوتا ہے، تو اس طرح مبدأ اعمال، نیت واخلاص کا بیان امام بخاریؒ کتاب کے شروع میں لائے اسی طرح اجر و ثواب معلوم ہونا وزن اور وضع میزان پر موقوف تھا بنا بریں وزن کا باب جو در اصل موقوف یعنی اجر و ثواب ہی کا بیان ہے جو منتہائے اعمال ہے، تو مبدأ اعمال کو مبدأ کتاب یعنی شروع کتاب میں لائے اور منتہائے اعمال کو منتہائے کتاب یعنی آخر کتاب میں لائے، یہ ہے امام بخاریؒ کی حسن ترتیب، نیز شروع میں بھی اول آیت پھر مسند حدیث لائے اور آخر میں بھی اول آیت پھر مسند حدیث لائے۔ یہ پہلی وجہ ہوئی اس بات کی کہ امام بخاریؒ اس حدیث کو آخر کتاب میں کیوں لائے۔

اس حدیث کو آخر کتاب میں لانے کی انوکھی وجہ

دوسری وجہ اس

حدیث کو آخر کتاب میں لانے کی سندی حیثیت سے متعلق ہے، یہ اہتمام سے سننے کے قابل ہے، سنئے یہ تو آپ کو معلوم ہو چکا کہ امام بخاریؒ نے مضمون حدیث کے اعتبار سے ابتداء کتاب اور انتہائے کتاب میں عجیب موزونیت اور مناسبت کو اختیار فرمایا۔

اسی طرح سند حدیث کے اعتبار سے ابتداء کتاب اور انتہاء کتاب کی موزونیت میں امام بخاری نے کمال کر دیا وہ اس طرح کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت

toobaa-elibrary.blogspot.com

کرنے والے حدیث اخلاص میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو لائے اور اس آخری حدیث میں جو صحابی راوی ہیں وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان دونوں صحابیوں کا حال و مقام اپنی اپنی روایت کے بالکل شایانِ شان اور بڑا ہی مناسب، نہایت ہی موافق ہے، اس کی تفصیل دل لگا کر پوری توجہ کے ساتھ سنئے۔

پہلی اور ابتدا کتاب کی حدیث انما الاعمال بالنیات میں اخلاص کا بیان ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اعمال کا دارو مدار نیت پر ہے، قبولیت اعمال اور ان کا اجر و ثواب حسب نیت ہوتا ہے جیسی اور جس درجہ کی نیت ہوگی ویسا ہی ثمرہ اور نتیجہ ملے گا، آخرت میں تو یہ معاملہ ہے ہی، دنیا میں بھی اس کے آثار رونما اور ظہور پذیر ہوتے ہیں۔

چونکہ حسن نیت اور اخلاص قلب سے تزکیہ، طہارت اور باطن میں نورانیت اور سکون اطمینان اور طبیعت میں فہم و عقل میں سلامتی پیدا ہوتی ہے: جب باطن میں یہ خوبیاں اور اچھائیاں پیدا ہوگئیں تو اندرونی طور پر اچھی اور عمدہ تخم اور بیج جڑ پکڑ گئے تو لامحالہ ان کے آثار و علامات شاخیں اور پتے باہر آئیں گے تواضع و عاجزی لئے ہوئے، بے ضرر اور نفع رسانی اور خیر خواہی و ہمدردی کی زندگی ہوگی تو کوئی وجہ نہیں کہ مخلوق اس کی گرویدہ نہ ہو، اور لوگوں میں اس کا وقار و اعتبار اور عزت و عظمت نہ ہو، پس اس کی طرف کشش اور جاذبیت ہوگی، اس کے ساتھ انسیت اور محبت ہوگی اس کے کلام سے سکون و اطمینان ہوگا، فتنے اور بلائیں اس سے دفع ہوں گی، ہر شخص اس کی خدمت و اطاعت کو سعادت اور شرافت سمجھ کر اس میں سبقت کرے گا تو اس کی حیات، طیبہ اور پاکیزہ اور مزید از زندگی ہونے میں کیا شک و شبہ کی گنجائش ہو سکتی ہے، خود اسکی زندگی تو اس کے لئے راحت و عزت ہے ہی اس کا وجود تو دوسروں کے لئے بھی سراپا رحمت و برکت لازمی طور پر ہوگا۔ یہ تو دنیا میں اس کی اچھی اور عمدہ نیت کے آثار ہوئے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

حسن نیت سے ہر چیز کھانا کمانا وغیرہ دین ہے

اظاہر ہے جس کی یہاں کی زندگی ایسی نفیس قابل رشک ہو اس کی حسن عاقبت کا کیا کہنا اس کے لئے دار آخرت میں ثوابات و درجات کا کیا شمار ہو سکتا ہے اور کیوں نہیں، ان کے اخلاص اور حسن نیت سے ان کے بشریات مباحات اور معمولی امور کھانا پینا، رہنا سہنا، سونا جاگنا، اٹھنا بیٹھنا، سکوت و کلام، پیشاب پاخانہ جانا، بیوی کے پاس جاکر ہنسی مذاق کرنا دل بہلانا، اس سے متمتع ہونا بھی دین اور عبادت بن جاتے ہیں، ایسے ہی مومن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ مومن کا کھانا کمانا اور اس کا ہر کام دین اور عبادت ہے، ہر ایک کا منہ نہیں کہ اس کو اپنے اوپر منطبق کرے کہ ہمارا کھانا کمانا ہنسنا بولنا، مذاق دل لگی کرنا اور کھیلنا کھلانا، سونا جاگنا، رہنا سہنا عبادت ہے، یہ اصحاب اخلاص اور اہل دل ہی کا مقام ہے کہ ان کا ہر معمولی سے معمولی کام بھی دین و عبادت سے باہر نہیں جاتا، تو جب ان کے معمولی مشاغل کا یہ عالم ہے تو ان کی اصل عبادات اور اصل طاعات کا کیا کہنا، چنانچہ محققین کا فیصلہ ہے کہ عارف کی یعنی صاحب اخلاص کی ایک رکعت غیر عارف کی ایک لاکھ رکعتوں سے بڑھ کر اور بہتر ہوتی ہے۔

عارف کا ہر قول و فعل برضاء الٰہی ہوتا ہے

بات یہ ہے کہ صاحب اخلاص، اچھی نیت والے کی رگ رگ اور ریشہ ریشہ میں حق تعالیٰ کی معرفت و محبت اور اس کی عظمت کا ظاہر و باطن پر اس درجہ استیلاء اور غلبہ ہوتا ہے کہ اس کے ظاہری باطنی اعضاء اس کے نہیں رہتے خدا ہی کے ہو رہتے ہیں، وہ ازراہ نفس و طبیعت کچھ نہیں کرتا اس کا سب کچھ بامر الٰہی برضاء الٰہی ہوتا ہے اس لئے اس کے اعضاء بظاہر عنصری، خاکی اور مادی اور بباطن ربانی، نورانی ہو جاتے ہیں، جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے، لا یزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتی احببتہ فکنت سمعہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

الذی یسمع بی الحدیث ۔ میرا بندہ فرائض کے ساتھ ضابطہ کے تعلق سے
علاوہ مجھ سے رابطہ بڑھاتا ہے نفل عبادت اور تمام کام میری خوشنودی اور رضا ہی
کے لئے انجام دینے لگتا ہے اور برابر انجام دیتا رہتا ہے حتیٰ کہ میں اس کو اپنا محبوب
اور پیارا بنالیتا ہوں، پھر میں اس کی رگ رگ میں (متجلی) ہو جاتا ہوں، اس کا کان
ہو جاتا ہوں وہ باعتبار رضا، و محبت کے مجھ ہی سے سنتا ہے، اس کی آنکھ کی حرکت
اس کا دیکھنا سراپا میری رضا، و محبت ہو جاتا ہے گویا وہ مجھ ہی سے دیکھتا ہے، اس
کے ہاتھ کی حرکت اور کسی چیز کو چھونا پکڑنا سراسر میری محبت و رضا، ہوتا ہے گویا وہ
مجھ ہی سے پکڑ رہا ہے میں اس کا ہاتھ بن رہا ہوں، اس کے پیروں کی حرکت چلنا
پھرنا بالکل میری پسند و چاہت ہوتا ہے گویا وہ میں ہوں مجھ سے چل رہا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اس مخلص کے اعضا، میں انوار الہیہ کا اس درجہ شمول ہو جاتا
ہے کہ حق تعالیٰ اس کی غایت محبت کی قدر اور اس کا اکرام فرماتے ہوئے حوصلہ افزائی
فرماتے ہیں کہ میاں تم اور ہم ایک ہی ہیں، تمہارے اعضا، تمہارے نہیں ہمارے
ہیں، خود قرآن پاک میں ارشاد ہے، اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ
اللّٰهَ ۔ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۔ کہ تم سے بیعت وہ اللہ
ہی سے بیعت ہے ۔ تمہارا پھینکنا اللہ ہی کا پھینکنا ہے، معلوم ہوا کہ شدت محبت
میں آثار محبت اور انوار احدیت و صمدیت کی یہ ایک تعبیر ہے، جیسے کہہ دیتے ہیں
کہ میاں ہم اور تم ایک ہی ہیں دو نہیں، ہماری چیز تمہاری اور تمہاری چیز ہماری
ہے، تو جب محبت میں غایت تعلق اور آپس کے ربط و اتحاد کو انسان اس طرح
تعبیر کر دیتے ہیں، تو حق تعالیٰ یوں تعبیر فرما دیں تو تعجب کی کیا بات ہے، مطلب
صاف ہے، جب کسی انسان پر جن غالب آجاتا ہے تو آدمیت کے آثار مغلوب
ہو جاتے ہیں تو حق تعالیٰ کے تعلق و محبت کے غلبہ سے اگر آثار آدمیت اور خاکیت
مغلوب و فنا ہو جائیں تو کیا مشکل ہے، اسی کو فرماتے ہیں ۔ ؎

چوں پری غالب شود بر آدمی ۔ گم شود از مرد وصف آدمی

toobaa-elibrary.blogspot.com

چوں بمُردم از حواس بوالبشر حق مرا شد سمع و ادراک و بصر

غرض صاحب اخلاص و محبت کے ظاہری اور باطنی اعضاء ربانی اور نورانی ہو جاتے ہیں، اب اس کا کام اس کا سکوت و کلام اور اس کے غیر کا کام اور سکوت و کلام دونوں کیسے برابر ہو سکتے ہیں، اگرچہ دونوں کا عمل و حال یکساں نظر آتا ہو بلکہ غیر مخلص، غیر عارف کا کوئی کام اور کلام بظاہر مخلص و عارف کے کام اور کلام سے عمدہ اور اچھا اور موافق سنت و شریعت بھی ہو تب بھی از روئے حقیقت وہ بڑھا ہوا نہیں، بڑھا ہوا تو کیا برابر بھی نہیں ہو سکتا، چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔ جبھی تو فرمایا ؎

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر گرچہ ماند در نوشتن شیر شیر

تو مخلص اور غیر مخلص میں زمین و آسمان کا بلکہ اس سے بھی زیادہ فرق ہے، اس لئے اس کی ایک رکعت کا مقابلہ دوسرے کی لاکھ رکعت بھی نہیں کر سکتی۔

یہی تو بات تھی جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات صحابہ کے بارے میں یوں ارشاد فرمایا کہ میرے صحابی کا نصف مُد جو راہِ خدا میں خرچ کرنا اور دوسروں کا اُحد پہاڑ کے برابر سونے کا ڈھیر خیرات کر دینا دونوں برابر نہیں ہو سکتے، میرے صحابی کا یہ ادنیٰ سا کام اس سے بدرجہا بڑھ کر اور بہتر ہوگا، یہ اتنا عظیم الشان فرق اسی وجہ سے ہوا کہ صحابہ میں جو اخلاص و محبت اور فنائیت ہے وہ کسی دوسرے کو میسر و نصیب نہیں۔

تو دیکھ لیا آپ نے اخلاص اور حسن نیت کے دنیوی اور اخروی یہ آثار اور یہ انوار و برکات اور اس پر یہ انعامات و اکرامات ہیں۔ بخلاف اس شخص کے جس کی نیت اچھی نہ ہو اس میں اخلاص قلب نہ ہو، اس کے افعال و حرکات کا صدور و خروج بس حیوانی، نفسانی، شیطانی راہوں سے ہوگا، اس لئے اس کے عام حالات اور طبیعاتی امور تو کیا، اس کی تو طاعات و عبادات ہی دین بن جائے تو غنیمت ہے ورنہ یہ بھی مشکل ہے، چنانچہ اگر کوئی شخص نماز وغیرہ اسلامی اور دینی، عبادتی کام کرے مگر دل میں اخلاص بالکل نہ ہو حق تعالیٰ کی اور اس کے احکام کی عظمت و محبت

toobaa-elibrary.blogspot.com

بالکل نہ ہو تو اس کے اس کام میں نیت ہرگز اچھی نہیں ہو سکتی، کوئی اپنی غرض و مصلحت فریب و مخادعت وغیرہ ہوگی، تو ایسی صورت میں اس کی یہ ظاہری عبادت درحقیقت عبادت نہیں باعث قرب و ثواب نہیں ہو سکتی بلکہ باعث بعد اور ازدیاد عذاب ہوگی، اس کو سمجھنے کے لئے منافقین زمانہ نبوی کا حال و قال سامنے لے آنا کافی ہے، اور اگر اخلاص سے کوئی بالکل عاری اور خالی تو نہ ہو مگر نہایت ضعیف و اضعف درجہ کا ہو تو حسب اخلاص و عدم اخلاص دنیا اور آخرت میں اس کے آثار و علامات رونما ہوں گے۔

بہرحال صاحب اخلاص اور غیر صاحب اخلاص میں بڑا فرق ہے حتی کہ صاحب اخلاص کا کلمہ کفر کہنا بھی دین اور مسئلہ بنجاتا ہے، اور غیر مخلص کی عبادت بھی معصیت بن جاتی ہے، حالانکہ دونوں کی غذائیں وہی زمین سے پیدا شدہ مادی اور عنصری چیزیں ہیں مگر حسن نیت اور سوء نیت، نیک نیتی، بدنیتی، اخلاص اور عدم اخلاص سے اسی ایک غذا سے مختلف آثار ظاہر ہوئے، مخلص کے سب افعال نورانی اور غیر مخلص کے سب افعال و حرکات گندے اور ظلمانی ہوتے ہیں، اسی فرق کو مولانا نے بیان فرمایا ہے

ہرچہ گیرد علتے علت شود | کفر گیرد ملتے ملت شود
ایں خورد گردد پلیدی زو جدا | واں خورد گردد ہمہ نور خدا

اس سے بخوبی ثابت ہو گیا کہ اعمال کے لئے اخلاص اور اخلاص کے ساتھ اعمال ضروری اور لازمی چیز ہے، اخلاص اور درستی قلب ایک عظیم الشان مامور بہ اور حکم شریعت ہے اور بحیثیت تکمیل اعمال درحقیقت فقہ کا اور بحیثیت عظمت حق ایک قلبی عقائدی اور کلامی مسئلہ ہے۔

معلوم ہوا کہ انما الاعمال بالنیات والی حدیث متعلق بالعقائد بھی ہے اور متعلق بالفقہ بھی اسلئے عقائدی اور اعمالی فقہی حدیث ابتدائی ہے اور آخری حدیث میں کلموں کی فضیلت اور اجر و ثواب بیان فرمایا گیا ہے اور رغبت و شوق دلایا ہے اس لئے یہ حدیث از قبیل فضائل ہے تو دونوں حدیث مختلف شان رکھتی ہیں اور

toobaa-elibrary.blogspot.com

جس شان کی جو چیز ہوتی ہے اس کا طریق ثبوت ویسا ہی ہونا لائق اور مناسب ہوا کرتا ہے۔

حضرت عمرؓ افقہ الصحابہ اور حضرت ابو ہریرہؓ احفظ الصحابہ

سو ابتدائی حدیث چونکہ عقائد اور فقہ سے متعلق تھی اس لئے زیادہ اہمیت اور عظمت شان کی حامل ہے اس کے لئے شایاں تھا کہ اس کا راوی بھی زیادہ اونچی حیثیت کا ہو افقہ الصحابہ اور اعلم الناس ہو اور اس مرتبہ پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ فائز ہیں اس لئے امام بخاری نے اس ابتدائی اور فقہی حدیث کو انھیں افقہ الناس کی روایت سے بیان فرمایا اور آخری حدیث از قبیل ترغیب و فضائل تھی، اخروی فضیلت اور ثواب اس میں بیان فرمایا گیا تھا اور ثواب ہونا اور آخرت میں دو کلموں کا وزنی اور بھاری بھرکم ہونا اس کا جاننا محض نقل و سماع پر موقوف ہے فہم و رائے کو اس میں کچھ دخل نہیں، اس لئے مناسب اور لائق تھا کہ اس کو نقل کرنے بیان کرنے والا بہت زیادہ حافظہ رکھتا ہو احفظ الصحابہ، احفظ الناس ہو، اور یہ مقام حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو حاصل ہے اس لئے اس آخری حدیث کو ان کی روایت سے آخر کتاب میں لائے

اب یہ بات باقی رہی کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا احفظ الصحابہ ہونا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا افقہ الصحابہ ہونا کیسے معلوم ہوا، اس کا بیان اور تفصیل یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اصحاب صفہ میں سے تھے، ان جلیل القدر تشنگانِ وطالبانِ علوم نبویہ سے تھے جنھوں نے تمام کاروبار کو خیرباد کہہ کر رات دن ہمہ وقت ایک یہی مشغلہ اختیار کر لیا تھا ایک ہی لگن میں لگ گئے تھے، کھانے پینے اور پہننے کی بھی فکر سے خالی اور علم دین کے لئے فارغ ہو گئے تھے، کھانے کو جو مل جاتا کھا لیتے ورنہ صبر اور فاقہ سے رہ جاتے، ایسے دلدادگان عشق نبوی تھے کہ مجلس و صحبت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر وقت لازم پکڑے رہتے، بس ایک ہی دھن اور دھیان میں مرنا کھپنا اور مٹنا اور فنا ہونا رہ گیا تھا، شدت جوع و عطش بھوک پیاس

toobaa-elibrary.blogspot.com

کی سخت تکلیف بھی ان کو صفہ اور چبوترے سے جدا نہ کر سکتی تھی، چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ خود فرماتے ہیں کہ مجھے لگاتار فاقوں اور سخت بھوک کی وجہ سے غشی آجاتی تھی نماز پڑھتے گر جاتا تھا، لوگ مجھے مجنوں سمجھ کر روندتے اور کچلتے تھے تاکہ میرا جنون اتر جائے۔ غرض ان کو حضور صلی اللہ علیہ کے ساتھ ایسا عشق اور آپ کے ارشادات سننے محفوظ کرنے کی ایسی تڑپ اور دھن تھی کہ اپنی تمام زندگی کو اسی کام کے لئے وقف کر دیا تھا، بخلاف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کہ وہ مشاغل زراعت کے سبب روزانہ حاضری مجلس نبوی کے لئے فارغ نہ ہو سکتے تھے، اس لئے حضور مجلس کے لئے انھوں نے باری مقرر کی تھی، باری باری حاضر ہوتے تھے، اس لئے جتنی اور جس قدر احادیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو سننا ہوا وہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نہیں ہو سکا۔

تو اول تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا ہمہ وقت خدمت نبوی میں حاضر باش رہنا، دوسرے طالب علم اور حفظ علم میں پوری یکسوئی کے ساتھ مصروفیت، ظاہر ہے کہ مختلف امور میں توجہ منقسم ہونا ذہن منتشر ہونا حافظہ پر اثر انداز ہوتا ہے، مانع حفظ، مانع علم ہوتا ہے، تو یہ مانع حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ میں نہ تھا بلکہ پوری توجہ تمام یکسوئی اور پوری لگن اور مصروفیت کے ساتھ کام کیا ہوا زیادہ محفوظ اور مستحضر ہوتا ہے، تیسرے یہ کہ جو کچھ حافظہ میں کمی تھی وہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معالجہ وتصرف سے ختم ہو گئی تھی، چنانچہ خود حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ کلمات میری کملی پر پڑھے اور فرمایا اس کو اکٹھا کر لے سمیٹ لے اور اپنے سینے سے لگا لے، چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا، اس کے بعد سے میں نے جو کچھ سنا اس میں سے ایک حرف بھی ساقط اور فراموش نہیں ہوا، ان تمام وجوہ سے ثابت ہو گیا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ احفظ تھے، نیز حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہا تھا کہ اے ابوہریرہ! تم ہم لوگوں یعنی صحابہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس زیادہ رہنے

toobaa-elibrary.blogspot.com

والے اور آپ کی احادیث کے زیادہ جاننے والے ہو، اب تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے احفظ الصحابہ ہونے میں کوئی شک کیا معنی کسی وہم تک کی بھی گنجائش باقی نہیں رہتی، پس ثابت ہو گیا کہ یقینی طور پر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ احفظ الصحابہ احفظ الناس تھے۔

جو روایت فضائل اعمال اور ثواب اعمال سے متعلق ہو اس کے راوی کا احفظ الناس ہونا لائق ہے اس لئے اس روایت وزن اعمال و ثواب اعمال کو حضرت ابو ہریرہؓ احفظ الصحابہ، احفظ الناس کی روایت سے لایا گیا۔

اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے افقہ اور اعلم ہونے کا بیان اور اس کی تفصیل سنئے اور پوری توجہ اور دھیان کے ساتھ سنئے!

حضور اکرم صلعم نے ان کے متعلق ارشاد فرمایا ہے لو کان بعدی نبی لکان عمر کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر نبی ہوتے، اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ میں نبوت کی صلاحیت نہایت قریب اور بہت قوی موجود تھی اور جب ان کی یہ شان ہے تو یہ بات ظاہر ہے کہ نبی اپنے زمانہ کا اعلم الناس اور افقہ الناس ہوتا ہے سب سے زیادہ دین کا علم و فہم نبی ہی کو حاصل ہوتا ہے اس سے ثابت ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تمام لوگوں میں تمام امت میں زیادہ علم و فہم کے حامل تھے آپ اعلم الناس اور افقہ الصحابہ تھے۔

اس کی تائید حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک خواب سے بھی ہوتی ہے جس میں آپؐ نے دیکھا تھا کہ آپ کو ایک پیالہ دودھ دیا گیا، فرماتے ہیں کہ میں نے خوب پیا اتنا پی لیا کہ اس کی تری ناخونوں میں آگئی پھر بھی اس پیالہ میں دودھ بچ گیا، میں نے بچا ہوا عمر کو دیدیا، حضرات صحابہ نے اس کی تعبیر دریافت کی، عرض کیا کہ آپ نے اس کی کیا تاویل یعنی تعبیر فرمائی ہے، ارشاد فرمایا میں نے اس سے علم مراد لیا ہے۔

تو اس خواب سے ظاہر ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد علم اور دینی فہم میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا درجہ تھا، تمام صحابہ میں آپ اعلم اور افقہ تھے، اب یہاں

toobaa-elibrary.blogspot.com

یہ وہم اور یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ اس حدیث شریف اور اس خواب نبوی علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام سے معلوم ہو رہا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بھی بڑھ گئے حالانکہ امت کا اجماعی اور متفقہ مسئلہ ہے کہ تمام امت میں حضرت صدیق رضؓ سب پر فائق اور برتر سب سے افضل اور اعلیٰ ہیں۔

اس کا جواب ایک تو یہ ہے کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو فضیلت حاصل ہے وہ کلی فضیلت ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ فضیلت جزئی فضیلت ہے، اور کلی فضیلت بڑھی ہوئی ہوتی ہے جزوی فضیلت سے، اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ کلی فضیلت کے مقابلہ میں جزئی فضیلت قابل شمار نہیں ہوتی، لہذا اس سے حضرت ابوبکر صدیق رضؓ سے بڑھ جانا ثابت نہیں ہو سکتا،

دوسرا جواب یہ ہے کہ حدیث لو کان بعدی نبی لکان عمر اور حدیث منام سے دونوں سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کیلئے بعدیت ہی تو ثابت ہوتی ہے تو ٹھیک ہے اسکو تسلیم کر لینے میں کچھ حرج نہیں، کوئی قباحت اور کوئی خرابی لازم نہیں آتی، اسلئے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حضور صلعم کی معیت حاصل تھی، پھر حضرت عمر رضؓ کی تو یہ فضیلت حدیث سے ہی ثابت ہوتی ہے، اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی یہ فضیلتِ معیت قرآن پاک کلام الٰہی سے ثابت ہے، ارشاد ہے لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا، کفار سے رنج و غم نہ کھایئے، ہم تک ان کے پہنچ جانے کا اندیشہ نہ کیجئے کہ ہمارے دونوں کیساتھ حق تعالیٰ کی خصوصی نظر و کرم ہے، ہم اس کی نظروں میں ہیں، اس کی حفاظت حاصل ہے۔

اب رہی یہ بات کہ پھر جب کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ افضل و مقدم ہیں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ بجائے حضرت ابوبکرؓ کو دینے کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کیوں دیا۔ جواب یہ ہے کہ ابھی تو عرض کیا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو معیت نبویہ حاصل تھی تو گویا غایت قرب و تعلق اور اتحاد شدید کے سبب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دودھ پینے سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی سیراب و فیضیاب ہو گئے اور بچا ہوا دودھ جو کہ بعدیت رکھتا تھا وہ بعدیت رکھنے والے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیا گیا۔

اس معیت اور بعدیت ہی کا یہ اثر تھا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت

toobaa-elibrary.blogspot.com

میں زمانہ نبوی علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والتسلیم کے برکات و اثرات کا غلبہ رہا، سلامتی طبائع کا غلبہ رہا حوادثات اور جدید واقعات کا دور صدیقی میں ظہور نہیں ہوا، اس لئے احکام کے استنباط اور اجتہاد جزئیات کی ضرورت نہ تھی، پس جزئیاتی علم اور قوت اجتہاد اور ملکہ استنباط جو اس دودھ دینے سے مراد تھا یہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو نہیں دیا گیا، بخلاف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کے کہ نئے نئے واقعات و حوادث پیش آئے جس کیلئے اجتہاد اور استنباط احکام کی ضرورت تھی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نور نبوت سے اس حقیقت کا ادراک فرمالیا تھا، اسلئے آپ نے اس دودھ کی شکل میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر اس ملکہ استنباط اور قوت اجتہاد اور بصیرت خاصہ کا افاضہ فرمایا، لہذا اس دودھ کی حضرت عمرؓ کو ہی ضرورت تھی، اس لئے انھیں کو عنایت فرمایا گیا۔

عالم خواب میں علم کو دودھ کی شکل کیوں دی گئی

اب یہ سوال ہو سکتا ہے کہ دودھ کی تعبیر علم کیوں ہوئی، یا بعنوان دیگر اس طرح کہ عالم خواب میں علم کیلئے دودھ کی شکل کیوں دی گئی؟ ان دونوں میں کیا مشابہت و مماثلت اور کیا مقاربت و مناسبت ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ انسان دو چیزوں سے مرکب ہے، انسان دو جزوں سے مل کر بنا ہے، ایک جزء مادی یعنی جسم عنصری، جسم خاکی ہے، اور ایک جزء اس کا غیر مادی، مجرد عن المادہ ہے،

جو جزء مادی ہے اس کو مادی غذاؤں کی ضرورت ہے وہ مادیات کا محتاج ہے وہ چیزیں جو خاک سے، مٹی سے پیدا ہوتی ہوں، انھیں سے اس جسم مادی عنصری، خاکی کی تربیت و بقاء ہو سکتی ہے، اب خواہ وہ دودھ ہو یا غلوں کی قسم سے بنی ہوئی غذا ہو یا پھلوں سے تیار کی گئی ہو یا دیگر نوع سے ہوئی مگر ہو مادی اور مٹی سے زمین سے پیدا ہونے والی، اگر یہ مادی غذائیں اس کو نہ پہنچائی جائیں تو بس ہڈی چمڑی رہجاویں گی اور خشکی بڑھ کر حرارت عزیزی ختم اور انجام ہلاکت ہوگا۔

بخلاف روح کے کہ وہ مادی نہیں وہ مجرد عن المادہ ہے اس کا کام جسم عنصری میں

toobaa-elibrary.blogspot.com

تصرف وتدبیر کا ہے، جب یہ مادی نہیں تو اس کی غذا بھی مادی نہیں ہو سکتی خمیرہ سے اس کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا، دودھ دو تو کچھ نہیں ہوگا، اس کی غذا تو غیر مادی اور جوہر مجرد عن المادہ ہی ہو سکتی ہے۔

روح کی اصل غذا

پھر ان غیر مادی چیزوں میں بھی روح کی غذا اولاً علم ہے نماز وغیرہ تمام اعمال صالحہ بعد میں ہیں، اسلئے کہ عملی زندگی علم پر موقوف ہے، ہر عمل خواہ چھوٹا ہو یا بڑا وہ علم کو چاہتا ہے، علم کے بغیر عمل کرنے سے نقصان ضرور ہوتا ہے، چنانچہ نماز جب اس کا علم حاصل کئے بغیر پڑھی جائے گی تو یا تو وہ بالکل ہی نہ ہوگی (چونکہ ناواقفی کے سبب ایسی غلطیاں ہوں گی جن سے نماز بالکل منھ پر مار دینے کے قابل ہوگی) یا صحیح تو ہوگی مگر ناقص ہوگی قبول نہ ہوگی (کہ بغیر علم آداب و مستحبات وغیرہ کی پوری پوری رعایت مستبعد ہونا ممکن ہے اس لئے ضرور کوتاہیاں اور خامیاں سرزد ہوں گی اس لئے پورے طور پر مقبول بھی نہ ہو سکے گی)۔

اس لئے غذائے روح کی اصلی اور اوّلی چیز علم ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ہمارے اول باپ، جد اعلیٰ جد امجد حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو پیدا فرما کر جب ان میں روح پھونک دی تو سب سے پہلے غذا لئے علم عطا فرمائی، چونکہ روح ایک جوہر مجرد غیر مادی چیز ہے تو اس کی غذا بھی غیر مادی جوہر مجرد ہی اس کے مناسب تھی اور علم ایسی ہی چیز، غیر مادی جوہر مجرد ہے اسلئے روح کو جسم خاکی جسم عنصری میں ڈال کر سب سے اول غذا علم کی عطا فرمائی، اسی اول غذا کا ذکر حق تعالیٰ نے اس آیت شریفہ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّهَا میں فرمایا ہے، کہ اس ذات باری تعالیٰ نے آدم (علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام) کو تمام اسماء کا علم عطا فرما دیا، یہاں صرف اسماء مثلاً عناب، گل بنفشہ، گاؤ زبان، بھیڑ، بکری گائے بھینس وغیرہ، صرف الفاظ مراد نہیں، اس میں ایک گھنٹہ، بلکہ ایک نہیں کئی گھنٹہ کی تقریر بلکہ کئی روز کی تقریر ہے، بہرحال روح جیسی لطیف شئی کیلئے غذا لطیف ہی ہونا مناسب تھی اور علم ہی اس کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے کہ جیسے روح نظر نہیں آتی اسی طرح علم بھی نظر نہیں آتا۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

علم کی حقیقت

اور یہ جو آپ کتابیں پڑھتے ہیں اور کتابوں میں نقوش دیکھتے ہیں یہ علم نہیں، علم کی حقیقت اور ہے، اصل علم اور چیز ہے اور وہ کیا ہے، وہ ہے نور۔ تقریب الی الفہم کیلئے یوں سمجھئے جیسے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس عالم میں مبعوث ہونے سے پہلے اُس عالم بالا میں حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام سے پہلے پیدا ہو چکے تھے جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے کُنتُ نبیاً وآدم بین الماء والطین۔ اور یہی نہیں بلکہ تمام مخلوقات حتیٰ کہ زمین وآسمان سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیدا فرما دیئے گئے تھے، ارشاد ہے اوّل ماخلق اللہ نوری یہ مشہور حدیث ہے کہ نور نبوی اولین خلائق ہے۔

نور رسول کو لباس عنصری دینا

لیکن جب اس نور نبوی کو حق تعالیٰ نے اس عالم ناسوتی، عالم مادی میں فیضان وافاضہ کیلئے بھیجنا چاہا تو براہ راست بلاواسطہ نہیں بھیجا چونکہ بلاواسطہ ہم اس نور سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے تھے، اس کا فیضان نہیں ہو سکتا تھا، اگر کچھ ہوتا بھی تو وہ غیر شعوری طور پر غیر اختیاری صورت سے ہوتا، جیسے آفتاب کے نور سے مخلوق کو فیض ہوتا ہے، تعلیم وتعلم کا سلسلہ اس سے قائم نہ ہو سکتا جو کہ اس نور کو اس عالم میں بھیجنے سے اصل مقصود تھا، لہٰذا ذات باری تعالیٰ نے نور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جسم مادی کا لباس دے کر ہمارے افادے واستفادے کے لئے اس عالم میں بھیجا۔

نور علم کیلئے نقوش والفاظ لباس ہیں

اسی طرح علم بھی نور ہے اس کو ہمارے استفادہ کے لئے الفاظ ونقوش کا جسم دے کر یہاں بھیجا ہے، تو علم محض نقوش والفاظ کا نام نہیں بلکہ حقیقۃً علم ایک نور ہے مگر اس عالم میں ہمارے استفادہ کے لیے حقائق ومعارف، مسائل واحکام، قوانین جاننے کے لئے اس کو نقوش والفاظ کا لباس دے کر بھیجا۔

اب یہ جاننا اور سمجھنا اور معلوم کر لینا ضروری ہے کہ یہ علم یعنی نور کیسے حاصل ہوگا، سنئے اور یاد رکھئے کہ یہ تقویٰ وطاعت کے اہتمام والتزام اور دوام سے حاصل ہوگا۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

اسی کو امام وکیعؒ نے فرمایا ہے۔ ؎

فان العلم نور من اللہ وان النور لا یعطی لعاص

حقیقی علم حاصل کرنے کا طریقہ

لہٰذا اچھی طرح سمجھ لو اور یاد رکھو، تقویٰ چھوڑ کر اگر ساری عمر بھی محنت و مشقت میں خرچ کردو گے تو یہ علم نہیں آوے گا، اس لئے یا تو علم حاصل کرنے سے پہلے تقویٰ لے کر آؤ، ورنہ ساتھ ساتھ ہی نفس سے رذائل دور کرو تب کہیں یہ علم آوے گا، پھر تو یہ دولت علم ایسی عظیم ہوگی جس کا مقابلہ جس کے ہم پلہ ساری دنیا کے خزانے، ہیرے جواہرات اور سونے چاندی کے انبار کے انبار بھی نہیں ہو سکتے حتیٰ کہ ہفت اقلیم کی سلطنت بھی اس کے سامنے گرد ہے، کیونکہ آخر یہ سب فنا ہو جانے اور مٹ جانے والے ہیں، اور دولت علم ابدی غیر فانی اور لازوال نعمت ہے وہ خرچ کرنے اور برابر کرتے رہنے پر بھی کم نہیں ہوتی بلکہ جتنا خرچ کیجاتی ہے اتنی ہی بڑھتی جاتی ہے۔ اور ایسی دولت والے ایسے صاحب کمال علمی نوری کے سامنے دوسرے اصحاب کمال، اہل دولت و ثروت حتیٰ کہ اہل سلطنت بھی جھکتے ہیں، کیونکہ ان کے پاس علم، صفت نور الٰہی موجود ہے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ عصیان و معصیت ظلمت ہے اور علم نور ہے، اور نور و ظلمت ضدین ہیں، اسلئے دونوں ایک محل میں جمع نہیں ہو سکتیں، چونکہ یہ اجتماع ضدین ہوگا، اور اجتماع ضدین محال ہے، لہٰذا معصیت کے ساتھ علم کا حصول محال ہے، تو معصیت ظلمت کے ہوتے ہوئے علم حقیقی جو کہ نور ہے کیسے حاصل ہو سکتا ہے، پس اگر چاہتے ہو کہ وہ نور علم حاصل ہو تو اس کے لئے ترک معاصی ظاہرہ و باطنہ یعنی تقویٰ لازم ہے، اس کو اختیار کرو تب وہ حقیقی علم یعنی نور حاصل ہوگا، یہ بات غذائے روحانی کے سلسلہ میں آگئی تھی، اب اصل سوال کا جواب سنئے، سوال یہ تھا کہ دودھ کی تعبیر علم کیوں ہے یا عالم خواب میں علم کے لئے دودھ کی شکل کیوں تجویز کی گئی؟

سو اس کا جواب یہ ہے کہ دودھ جسمانی، مادی غذاؤں میں سب سے اعلیٰ اور نہایت جامع غذا ہے، اس میں شربیت تو ہے ہی اس کے ساتھ ساتھ اس میں اکلیت بھی ہے، جیسے

toobaa-elibrary.blogspot.com

یہ دافع عطش ہے اور پیاس بجھا دیتا ہے، رافع جوع بھی ہے یعنی بھوک بھی مٹا دیتا ختم کر دیتا ہے پس یہ افضل ترین غذا ہے، یہی وجہ ہے کہ حدیث شریف میں ہر کھانے ہر طعام کے بعد اس سے بہتر طلب کرنے اور مانگنے کی دعا تعلیم فرمائی ہے کھانا کھانے کے بعد منجملہ دیگر دعاؤں کے یہ بھی فرمایا گیا کہ یوں کہو اللّٰھم اطعمنی خیراً منہ اے اللہ! مجھے اس سے بہتر کھلایئے اس سے عمدہ اس سے افضل غذا اور کھانا عطا فرمایئے مگر دودھ کے نوش کرنے کے بعد یہ ارشاد نہیں فرمایا گیا بلکہ یہ فرمایا کہ دودھ پینے کے بعد یہ عرض یہ درخواست کیا کرو اللّٰھم بارک لی فیہ وزدنی منہ، کہ اے اللہ پاک مجھے اس میں برکت عطا فرمایئے اور اس کی زیادتی فرمایئے، معلوم ہوا کہ اس سے بہتر کوئی غذا نہیں، ورنہ ضرور ہم کو اسکے سوال کرنے مانگنے کی تعلیم فرماتے، اس سے ثابت ہوا کہ دودھ تمام جسمانی غذاؤں میں سب سے اعلیٰ سب سے اکمل اور افضل شئ ہے اور دودھ ہی جسم کیلئے اوّل غذا بھی ہے، ایک مقدمہ تو یہ ہوا۔

دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ عالم رویا، عالم خواب مادی چیزوں سے مبرا ہے، اس میں جو چیزیں ہوتی ہیں، وہ مادیات اور جسمانیات سے منزہ اور خالی ہوتی ہیں، غرض عالم خواب مجرد عن المادیات ہے، اسلئے خواب میں دودھ بھی لامحالہ مجرد اور خالی تھا، جس کے معنی یہ ہوئے کہ ایک غیر مادی غذا تھی جو بشکل دودھ تھی، اب ظاہر ہے کہ جس جسم کو یہ غذا دی گئی وہ جسم بھی خواب اور عالم رویا کا تھا، اس لئے وہ جسم بھی غیر مادی ہوا۔

حاصل یہ نکلا کہ ایک غیر مادی غذا غیر مادی جسم کو دی گئی، ایک مجرد اور اکمل و افضل ترین غذا سے شئ غیر مادی جسم مجرد کی تربیت کی گئی، اور اعلیٰ ترین مجرد غذا اجسام مجردہ کیلئے اور مجردات میں سے بھی اعلیٰ چیز روح کیلئے وہ علم ہے، اسلئے خواب میں علم کو دودھ کی شکل دی گئی، چونکہ دودھ جسمانی اور مادی غذاؤں میں اعلیٰ ترین ہے اور علم غیر مادی غذاؤں میں سب سے اعلیٰ اور افضل شئ ہے تو دونوں میں اعلیٰ ہونے میں اوّل و افضل ہونے میں مشارکت اور مناسبت کے سبب ایک کو دوسرے کی شکل و صورت دی گئی، اب بھی اگر کوئی خواب میں دودھ دیکھے تو اس مشارکت اور مناسبت قویہ کے باعث اس کی تعبیر علم ہی ہوگی۔

بہرحال جس طرح دودھ جسمانی غذا ہے، علم روحانی غذا ہے، اور قاعدہ ہے کہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

اعضاء کی تحلیل ہوتی رہتی ہے اور غذاؤں سے بدل مایتحلل ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ انسان عمر طبعی کو پہنچ جاتا ہے مگر جب روحانی غذا اور روحانیت کا غلبہ ہوتا ہے تو جسمانی غذا کم اور بہت کم بھی ہو حتی کہ نہ ہونے کے برابر ہو یا بعض اوقات بالکل بھی نہ ہو تو جسمانی غذا سے بدل مایتحلل کے بغیر بھی انسان زندہ اور باقی رہتا ہے، حق تعالیٰ روحانیت سے اپنے خاص امداد سے اس کا بدل فرما دیتے ہیں، اس کو سمجھنے کے لئے یہ مثال کافی ہے کہ مریض بیماری اور کمزوری کے سبب عاجز ولاچار، کمزور و بے بس ہو جاتا ہے، اس پر بہت عاجزی، پستی اور شکستگی کا غلبہ ہوتا ہے اس لئے اس پر خاص رحمت خداوندی آتی ہے، پس باوجود بیماری کے ضعف در ضعف اور فاقہ پر فاقہ کے وہ کمزوری جو تندرست کو فاقوں سے لاحق ہوتی ہے مریض کو نہیں ہوتی، تو یہ کیا بات ہے، یہی بات ہے کہ حق تعالیٰ کی طرف سے اندر ہی اندر بدل ہوتا رہتا ہے۔

یہ میری بات نہیں بلکہ حدیث شریف آتا ہے کہ مریض کو اللہ کھلاتے پلاتے ہیں۔ یہاں سے ثابت ہو گیا کہ مریض کو اندر ہی اندر سامان حیات اور قوت پہنچتی رہتی ہے، تو جس کو اس طرح باطنی اور معنوی طور پر حق تعالیٰ کی طرف سے غذا، قوت اور طاقت پہنچتی رہے اس کو کیا حاجت اور کون ضرورت ہے کہ ظاہری اور مادی غذاؤں کا زیادہ پابند ہو ان کیطرف افتقار و احتیاج ہو، وہ لامحالہ ان مادی غذاؤں سے مستغنی ہوگا، اس لئے اگر وہ کسی چیز سے استغنا ظاہر کرے اس کی طبیعت قبول نہ کرے تو اس پر اصرار و اجبار نہیں چاہیئے اس پر بار نہیں چاہیئے، جیسا کہ مریض پر اس کے انکار پر اصرار نہیں ہوتا

اب غور فرمایئے کہ مریض کے ساتھ یہ معاملہ اور باطنی اور مخفی غذا و قوت کا آنا، امداد غیبی اور نصرت الٰہیہ پہنچنا جو ہوا وہ کیوں ہوا، یا تو یہ کہئے کہ چونکہ مرض اللہ تعالیٰ نے دیا تو اس کے سہار کی قوت اور اس کے اسباب بھی عطا فرما دیئے۔

عجز و انکسار پر نصرت خداوندی ہوتی ہے

یا یہ کہ اس میں ایک عجز و انکسار، پستی اور شکستگی آئی اگرچہ غیر اختیاری اور اضطراری طور پر آئی مگر یہ وصف اس میں پایا گیا

toobaa-elibrary.blogspot.com

بہرحال یہ صفت حق تعالیٰ کو بہت پسند ہے جیسے بچہ کا عجز لاچاری اور کمزوری بے بسی غیر اختیاری ہوتی ہے تاہم حق تعالیٰ کی اس پر خاص عنایت ہوتی ہے، لہٰذا اس کی تربیت کے اسکی غذا اور آرام و راحت کے سامان اور اس کا انتظام دوسری مخلوق پر ڈال دیتے ہیں اور بحسن و خوبی اس کو انجام دلاتے ہیں، دوسروں کے دلوں میں اس کی محبت اور داعیہ خدمت پیدا فرما دیتے ہیں تو اس بچہ کو اپنے لئے کچھ بھی نہیں کرنا پڑتا، بلکہ وہ اس سب کا علم و شعور بھی نہیں رکھتا، یہی بات علماء اہل اللہ کی ہے یا تو یہ کہئے کہ ان کا جو کام ہے وہ اللہ کا دیا ہوا اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص نسبت رکھتا ہے اس لئے ان کی خاص مدد ان پر خصوصی عنایت بھی فرماتے ہیں۔

یا یہ کہئے کہ علماء اہل اللہ کی نظر مخلوق پر، اسباب پر کسی کی یاری، مددگاری پر نہیں ہوتی، اس کی مشیت و قدرت کے سامنے خود کو اور اپنوں پرائیوں، ساری مخلوق کو بے بس و بے کس، عاجز اور کمزور لاچار پاتے ہیں، ان کی اس عاجزی اور ذلت باطنی، پستی شکستگی پر خدا تعالیٰ کو پیار آتا ہے تو حق تعالیٰ ان پر خاص و اخص رحمتیں نازل فرماتے ہیں، ان کی خاص مدد و نصرت فرماتے ہیں، مخلوق کے دلوں میں ان کی محبت اور جذبہ خدمت پیدا فرما دیتے ہیں، اس طرح ان کو سہولتیں اور الجھنوں سے نجات و بے فکری حاصل ہو جاتی ہے۔

دوسرے لوگ ان کے درجہ اور رتبہ کو کہاں پہنچ سکتے ہیں اور کہاں پا سکتے ہیں اور کیا سمجھ سکتے ہیں، اس لئے میں لوگوں سے کہا کرتا ہوں کہ مولویوں کی بات اور ہے تم اپنے کو ان کے برابر ہرگز نہ سمجھو، ان کا مقام تو وہ ہے کہ اگر کوئی کاشتکار اور کوئی بھی اہل کار صبح سویرے، علی الصباح اور اندھیرے سے اٹھ کر شام کو بہت دیر اور اندھیرا تک مشقت اور سخت محنت کرے تب بھی مولویوں کے علماء کے برابر کبھی نہیں ہو سکتے، پھر ان پر اعتراض اور طعن کرنے کا کسی کو کیا حق پہنچتا ہے۔

علماء کا کام بہت اونچا ہے

تعجب اور افسوس ہے بعض لوگ کہدیتے ہیں کہ یہ مولوی کچھ نہیں کرتے مفت کھاتے

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہیں، ان سے کما کر نہیں کھایا جاتا۔

ہم ان سے کہتے ہیں یہ بالکل غلط ہے، کیا سرسری اور ظاہری کام کر کے تم نے یہ سمجھ لیا کہ تم ہی سب کچھ کرتے ہو، نہیں نہیں تمہارا تو کام دام کچھ بھی نہیں، ان علماء کا کام بہت اونچا اور بہت بھاری ہے، حتیٰ کہ ان میں بعض بعض تو علماء حقانی علماء ربانی ایسے ہیں کہ اگرچہ گھر بیٹھے باآرام و بے کام نظر آتے ہیں مگر وہ وہیں بیٹھے کھیتوں اور باغات و ثمرات کی حفاظت کرتے رہتے ہیں، بات تو یوں ہی ہے خواہ کوئی مانے یا نہ مانے اور جب تم مجھے سچا جانتے ہو تو میری یہ بات بھی سچی جانو۔

اور عزیزو! میں تو جمعہ کو کہہ رہا تھا کہ یہیں تک بات نہیں کہ وہ کھیتوں کی باغات اور سمندروں کی حفاظت کرتے ہیں، اس سے بھی بڑھ کر بعض بعض تو ان مولویوں عالموں میں ایسے بھی ہیں کہ پورے ملک کی، پہاڑوں دریاؤں، پانی کے بندوں اور ملک کی سرحدوں، غرض ہر طرح ملک کی نگرانی اور حفاظت میں مصروف رہتے ہیں، اگر وہ حفاظت کرنا چھوڑ دیں تو ملیا میٹ ہو جائے۔ تعجب نہیں ہونا چاہیے کہ اتنے بڑے بڑے کام وہ گھر بیٹھے کیسے انجام دیدیتے ہیں، کیا بجلی کی طاقت کو دنیا نہیں جانتی جس کی حقیقت ایک قسم کی ناریا ادنیٰ قسم کا نور ہے۔

بہرحال جو کچھ بھی ہے وہ ارضی ہے سماوی نہیں اس کے باوجود اس کی تیز رفتاری اور طاقت کا یہ عالم ہے کہ ایک سکنڈ میں آن کی آن میں کہاں سے کہاں پہنچ جاتی ہے اور پل بھر میں اپنے اثرات بعید سے بعید مسافت پر پہنچا دیتی ہے کچھ وجود نہیں نظر آتا، مگر اس کی طاقت بے پناہ ہے، ہزار ہا ٹن وزن ذرا سی بجلی کی طاقت ادھر سے ادھر کر دیتی ہے، جب اس برق ارضی کی طاقت اس درجہ ہے تو برق سماوی کی طاقت کا کیا ٹھکانا ہوگا، چنانچہ آسمانی بجلی کا باوجودیکہ زمین سے مہاسنکھوں میل کی دوری پر ہوتی ہے پھر بھی اس کی کوند و چمک اہل زمین کی نظروں کو اچک لینے کے قریب ہو جاتی ہے، اور اس کی کڑک و تڑک آسمان ہی میں رہتے ہوئے بڑے بڑے مکانات اور قلعوں میں زلزلہ ڈال دیتی ہے اس سے ثابت ہوا کہ جب طاقت ہوتی ہے تو

toobaa-elibrary.blogspot.com

اس سے اثرات دور دور پہنچ جاتے ہیں اور تمام طاقتوں میں نور کی طاقت سب سے زیادہ اور سب پر غالب رہتی ہے، حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب مومن جہنم کے اوپر سے گذرے گا تو وہ کہے گی جز یا مؤمن فان نورك اطفأ نارى، کہ اے مومن جلدی سے گذر جا اس لئے کہ تیرا نور میری آگ کو بجھائے دیتا ہے۔

تو نار جہنم اشد الحرارت ہے وہاں کی گرمیوں اور طپش کو کوئی دیکھے اندازہ اس کی شدت اور قوت کا کرے تو بے انتہا سخت اور نہایت شدید کیا بلکہ اشد ہے مگر نور سے پھر پناہ مانگتی ہے۔ معلوم ہوا کہ نور کی طاقت نار شدید پر غالب ہوتی ہے تو ثابت ہو گیا کہ آگ جیسی چیز سے بھی زیادہ شدید اور قوی نور ہے۔

تو ان علماء ربانیین اور مولوی حضرات کو یہ نور الٰہی کی طاقت حاصل ہے، اسی کے سبب اس نور قلب کی بدولت وہ دور رہکر بھی بڑے بڑے کام انجام دیتے ہیں، اس سے ثابت ہوا کہ علماء میں جو علم ہے اور حدیث منام میں دودھ سے جو علم مراد ہے وہ نور قلب اور حیات معنویہ حیات روحانیہ ہے، صرف یہ علم ظاہری مراد نہیں ہے، جب قلب میں یہ چیز آجاتی ہے تو اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ نورانی چیزوں کی طرف رکون اور میلان ہوتا ہے اور نورانی چیزوں کے ساتھ تعلق اور تلبس ہوتا ہے یعنی ظاہری و باطنی تقوی اور اعمال شریعت کی پابندی ہوتی ہے، اس لئے کہ جب دل میں یہ بات ہوگی نورانیت ہوگی، یہ باطنی نورانیت ظاہری نورانیت کی طرف کشش کرے گی، قاعدہ ہے الجنس یمیل الی الجنس۔ ہر شئی اپنے جنس ہم مشرب، ہم مذہب کی طرف چلا کرتی ہے۔

نیز ایک نور کے ساتھ یعنی نور باطن کے ساتھ جب اعمال شریعت یعنی نور ظاہر شامل ہو جاتا ہے تو نور کو نور سے قوت اور طاقت اور تیزی، صفائی، تابانی چمکاہٹ زیادہ آتی ہے جیسے آپ لوگوں نے اس بخاری شریف میں کتاب الایمان کے ختم کے قریب باب فضل من استبرأ لدینہ کے تحت پڑھا ہے کہ مشتبہات سے بچنے پر تقوی کا کمال اور اس سے ایمان کا ابھار اور اس میں زینت و نکھار اور صفائی

toobaa-elibrary.blogspot.com

اور چمکاہٹ آتی ہے، تو جب تقویٰ سے اعمال صالحہ سے ایمان کے نور میں اضافہ اور مزید صفائی آجاتی ہے تو اسی طرح اس کے اضداد یعنی برائیوں اور معاصی سے ایمان میں خرابی اور میل کچیل آنا اور ایمان میں کمزوری آنا، معاصی کی ظلمتوں اور گندگیوں سے ایمان اور نور میں دھندلاپن، اندھاپن آجانا بھی ظاہر ہے بلکہ معاصی سے بعض اوقات اس نور کے مٹ جانے اور ختم ہوجانے تک نوبت آجاتی ہے۔

چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ آدمی لاابالی پن اور بے پرواہی میں بعض بات ایسی کہہ دیتا ہے کہ اس کا ایمان زائل ہوجاتا ہے اور اسے خبر بھی نہیں ہوتی، اور اس لاپرواہی کے سبب کوئی احساس ہی نہیں کرتا۔ ارشاد خداوندی ہے ان تحبط اعمالکم وانتم لا تشعرون۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ معاصی وسیئات ایمان میں ضعف ونقصان پیدا کرتے ہیں، اور یہ معلوم ہی ہے کہ ایمان ایک نور ہے، اور علم کا نور ہونا بھی معلوم وثابت ہوچکا۔

سیئات علم کے لئے مضر ہیں

تو جیسے یہ معاصی وسیئات ایمان کے لئے مضر ہیں ٹھیک اسی طرح علم کے لئے بھی مضر ہیں، چونکہ ایمان بھی ایک نور ہے اور علم بھی نور ہے۔ چنانچہ حضرت امام شافعیؒ کا ارشاد ہے ؎

شکوت الی وکیع سوء حفظی ۔۔۔ فادصانی الی ترک المعاصی

فان العلم نور من الله ۔۔۔ ونور الله لا یعطی لعاصی

حقیقی حیات علم ہی سے حاصل ہوتی ہے

غرض علم نور ہے جس سے قلب میں روح میں حیات وقوت آتی ہے، اس لئے علم روحانی غذا ہے اور یہاں عالم اسباب میں حق تعالیٰ نے ہر شئی کو اسباب کے ساتھ وابستہ فرمایا ہے، پس کسی شئی کی بقاء وحیات اس کے مناسب غذا پر موقوف ہوتی ہے، لہٰذا جب علم روحانی غذا اور روح کے لئے مدار حیات ہے تو جس انسان کو علم حاصل نہیں وہ انسانی روح اور روحانی

toobaa-elibrary.blogspot.com

حیات سے محروم ہے، اس لئے جاہل آدمی مردہ ہے، جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ ع الناس موتی واھل العلم احیاء۔ کہ اہل علم کے سوا، سب لوگ مردہ ہیں زندہ بس علم والے ہیں، پھر دولت علم کے حصول پر جوش مسرت اور فرحت کے ساتھ شکراً فرماتے ہیں۔ ؎

رضینا قسمۃ الجبار فینا　　لنا علم وللجہال مال
فان المال یفنی عن قریب　　وان العلم باق لا یزال

کہ ہم اس تقسیم الٰہی پر بہت خوش ہیں کہ ہم کو علم والا اور جاہلوں کو مال والا بنایا مال کی دولت و نعمت کوئی کمال نہیں خوشی کے قابل چیز نہیں، اس لئے کہ وہ باقی رہنے والی چیز نہیں، فانی اور آنی جانی چیز ہے، تو ایسی چیز مل بھی جائے تو نہ جانے کب چلی جائے اس کا کیا اعتبار لا تثق بالدولۃ فانہا ظل زائل دولت مال قابل اعتماد نہیں، چونکہ وہ چلے جانے والے سایہ کے مانند ہے، اور دولت علم بڑی نعمت اور عجیب کمال لازوال ہے، اس لئے اس کے ملنے سے ہم بہت خوش ہیں، ہم پر اس کی زیادہ عنایت ہے، اسی کی ترجمانی بعض اکابر نے اس طرح فرمائی ہے ؎

الجہل قبل الموت موت لاھلہ　　فاجسامہم قبل القبور قبور
وان امرء لم یحی بالعلم میت　　ولیس لہ حین النشور نشور

فرماتے ہیں کہ جہالت اور علم سے محرومی ایک موت ہے، بے علم اور جاہل کے اندر مردہ قلب مردہ روح ہے تو ان جاہلوں کے اجسام چلتی پھرتی قبریں ہیں اسلئے کہ صرف جسم کو انسان نہیں کہتے، اصل روح ہے جب وہی مردہ ہے تو بس یقینی طور پر جس نے علم حاصل کر کے زندگی اختیار نہیں کی علم کی مطابقت اس کی زندگی میں نہیں آئی وہ آدمی ہی مردہ ہے، اب اس کو جہالت و غفلت کے نشہ سے ہوش آنا مشکل ہے واقعی خوب فرمایا، حدیث شریف میں ایسے ہی لوگوں کے بارے میں فرمایا ہے الناس نیام فاذا ماتوا انتبہوا۔ کہ لوگ غفلت و جہالت کے نشہ میں چور ہیں سوئے ہوؤں کی طرح مدہوش و بے ہوش ہیں، جب موت آئے گی اور بالاضطرار

toobaa-elibrary.blogspot.com

آخرت کی طرف رخ ہوگا، وہاں کے امور سامنے آئیں گے تب جاگیں گے، یعنی شعور و احساس ہوگا، حقائق نظر آئیں گے، یہیں سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ علم وہی ہے جس سے انسانیت آئے اور قلب میں جلاء اور صفاء آئے، ظلمت و ظلمانیت مٹ جائے نورانیت آجائے جس کے آثار حسن اخلاق اور پاکیزہ اعمال کی شکل میں ظاہر ہو کر دنیا کو امن و امان، سکون و اطمینان سے بھر دیں، لوگوں کو اس سے کوئی مضرت و وحشت، گزند و تکلیف ذرہ بھر بھی نہ پہنچے، ہر شخص کو اس سے راحت ہو کسی قسم کا اس سے خطرہ کسی کو بھی نہ ہو، ہر شخص اس پر اطمینان اور اعتماد رکھتا ہو، سب لوگ اس سے چین و سکون اور راحت و آرام پاتے ہوں۔

دنیوی علوم سے امن و سکون حاصل نہیں ہوتا

اب دیکھ لیجئے دنیا کے جتنے علوم و فنون اور ان کے ادارے اور مرکز ہیں، کیا وہاں اس قسم کی تعلیمات ہوتی ہیں؟ دیکھ لیجئے اور غور سے دیکھئے اور مکرر سہ کرر دیکھ جایئے، اچھی طرح جائزہ لے لیجئے، ہرگز ایسی چیزوں کی تعلیم تو درکنار ادنیٰ توجہ اور التفات بھی وہاں آپ کو نہ مل سکے گا۔

بلکہ اس کے برعکس وہاں تو ایسے ہی امور میں انہماک و اشتغال ملے گا، اسی قسم کے جذبات ملیں گے جن سے اپنی گوناگوں خواہشات اور اپنے وقار و عظمت، شان و شوکت، زیب و زینت، راحت و دولت، عیش و لذت، اپنے کو اونچا کرنا، اونچا دیکھنا دوسروں سے اپنی تابعداری، خدمتگذاری کرانے کے طرق و تدابیر دریافت کرنا، دوسروں پر تسلط و غلبہ حاصل کرنا وغیرہ حاصل ہوں، شب و روز، صبح و شام خواب و بیداری، ان تصورات و تخیلات کی مشغولیت سے بھرپور ملیں گے۔

صاحبان علوم دنیویہ کا حال

اب ظاہر و اظہر ہے کہ ان چیزوں سے نفسانیت اور خود غرضی، تن پروری خود پرستی کے غلبہ اور ہمدردی کے بجائے ہمہ دردی، اور امن و اماں کے بجائے

toobaa-elibrary.blogspot.com

فسادات و بدامنی، نفع و راحت رسانی کے بجائے ایذا، و ضرر رسانی، اور تباہی و بربادی کے سوا کیا حاصل ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ آج جوں جوں اس قسم کے علوم و فنون کی تعلیم اور اداروں کی کثرت اور انسانی طبقات کے بالعموم رجحانات بڑھتے جارہے ہیں اسی قدر بدامنی اور فسادات اور ہر قسم کے خطرات کی رفتار تیز ہوتی جارہی ہے حتی کہ اہل حل وعقد، اصحاب حکومت و مملکت ان پر قابو پانے ان کی روک تھام کرنے سے عاجز اور لاچار ہو رہے ہیں جو کہ تمام کالجوں، یونیورسٹیوں کے اندر رہتے ہوئے حالت ہے، اب یہاں سے نکل کر کسی عہدہ منصب پر فائز یا اور کسی چیز کے مختار کار ہوتے ہیں تو تعیش و تمول، تشین و تزین کے جذبات و تخیلات پورا کرنے کا موقع ہاتھ آتا ہے، اور ہمچوں ما دیگرے نیست کا نعرہ بلند کرتے ہیں، ایسی حالت میں کسی ذمہ داری کے احساس اور مخلوق کی پریشانیوں اور الجھنوں کے دور کرنے کی طرف التفات و خیال کا کیا سوال ؟ ان کی ہمدردی اور مدد و اعانت سے کیا مطلب ؟

انھیں تو اپنی ذات اور زیادہ سے زیادہ اپنے متعلقین کے لئے ضرورت سے زیادہ سامانوں کے فراہم کرنے اور کرتے رہنے ہی سے فرصت نہیں، اپنی اور اپنوں کی دھن کے سوا اور کچھ سوجھتا ہی نہیں، ایسی صورت میں یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ یہ لوگ اپنے مقصد اور مطمح نظر کی تحصیل و تکمیل میں دوسروں کے دکھ آرام کو ہرگز نہ دیکھیں گے اس سے قطع نظر ہی ہوگی انھیں اوروں سے کچھ بحث نہیں ہوگی خواہ کچھ بھی ہو، بدامنی ہو فسادات ہوں، گرانیاں ہوں دل آزاریاں ہوں ظلم و ستم ہو اس طرف تو مطلق توجہ نہ کریں گے، اگر کچھ نام چارہ کو کریں گے تو اس میں یا دفع الوقتی ہوگی اپنی مصلحت دفع طعن و اعتراض یا پھر اس میں بھی رشوت خوری کے ذریعہ مال دولت کا سمیٹنا ہوگا، اس مال و جاہ کے علاوہ دوسروں کا مظلوموں اور پریشان حالوں کا کچھ خیال اور ان پر رحم و کرم اس کا تو شاید خیال بھی نہ آئے الا نادرًا۔

آج یہ سب تباہیاں و بربادیاں کیوں ہیں، اسی لئے تو کہ سن شعور ہی سے

toobaa-elibrary.blogspot.com

حیوانی، جسمانی اور نفسانی اغراض و مقاصد سامنے کئے جاتے رہے، انسانیت کا تو نشان تک بھی کسی نے نہیں بتلایا، پھر انسانی صفات و ملکات کہاں سے آئیں، انسان کیوں کر بنیں، اخلاق عالیہ، اعمال صالحہ، اچھی خصلتیں، بلند کرداریاں کس طرح پیدا ہوں، اور دنیا سے ظلم و ستم کی ظلمتیں کیسے دور ہوں ملک میں عالم میں چین و سکون امن و اطمینان کیوں کر آئے، اندرونی، بیرونی خلفشار اور انتشار سے کیسے نجات ہو۔ لامحالہ جب اس طرح انسانیت کے بجائے حیوانیت، بہیمیت اور شیطانیت کا غلبہ مظالم اور حق تلفیاں اور قبائح و جہالات کی ہمہ ہمی ہوگی تو یہ دنیا خود دوزخ کا نمونہ ہوگی، یہاں کی زندگی نہایت بے چینی اور بدمزگیوں اور انتہائی تلخیوں کو لئے ہوئے ہوگی۔

معلوم ہوا کہ آج کل جو تعلیم و تہذیب کا زور شور برپا ہے اور بظاہر ہر چھوٹی بڑی معمولی غیر معمولی بستی، دیہات، قصبات اور شہروں کے تمام انسانی طبقوں میں علم و تہذیب عام ہو رہا ہے تقریباً ہر جگہ مرد عورت ہر شخص اس علم اور تہذیب سے فیضیاب ہو رہا ہے، پھر بھی یہ نتائج نہیں جو ابھی آپ کے سامنے بیان ہوئے، یہ کھلا ہوا ثبوت ہے اس بات کا کہ یہ تہذیب اور تعلیم کا صرف نام ہی نام ہے حقیقت بالکل نہیں بلکہ حقیقت علم و تہذیب کا شمہ بھی پاس سے نہیں گذرا، اس کی تو ان لوگوں کو ہوا تک بھی نہیں لگی، پس سوائے اس کے کچھ نہیں کہ ان کالجوں، یونیورسٹیوں میں جو تعلیمات ہیں وہ انسانی اختراعات، انفرادی ترقی جاہی و مالی خواہشات طبعی کی تکمیلات نخوت اور کبر کو ابھارنے والی ہیں جس کے لئے اپنی شکم سیری تن پروری تن آرائی، نام و نمود تشہیر لازم ہے جو کہ یہ اتلاف حقوق انسانی کا سرچشمہ ہے جس سے دردمندی کے بجائے دردرسانی وغیرہ ضروری ہے، اسلئے یونیورسٹیوں کالجوں اور اس تعلیم عمومی سے آج امن کے بجائے بدامنی عام ہو رہی ہے، یہ ہیں اس تعلیم اختراعی کے اثرات و ثمرات۔

تہذیب و انسانیت صرف علم دین سے آتی ہے بخلاف علم

الٰہی بذریعہ وحی کے وہ اپنے اندر پوری ضمانت امن و سلامتی کی لئے ہوئے ہے چونکہ یہ علم اولاً انسان میں خالق برحق رب عالم کی معرفت و خشیت اور محبت و اطاعت

toobaa-elibrary.blogspot.com

پیدا کرتا ہے پھر یہ انسان بمقتضائے خلق اللہ عیال اللہ اور بتقاضائے ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء و دیگر نصوص و فرامین اور احکام و قوانین مخلوقات کے حقوق اور ان کے ساتھ تعلق و محبت حسب درجات ان کی قدر و قیمت ان کے ساتھ شفقت و رحمت سے پیش آتا ہے اور بحکم شاہی باذن الٰہی مطابق رضائے احکم الحاکمین ان کے حقوق پہچانتا اور ادا کرتا ہے، جا بجا، مناسب نامناسب، مقدم مؤخر کو خالق تعالیٰ کی تعلیمات و ہدایات سے بخوبی جانتا پہچانتا اور انجام دیتا ہے اس لئے کہ دین اور علم دین صرف نماز، روزہ، تلاوت کلام پاک، زکوۃ صدقات اور حج تک محدود نہیں بلکہ انسانی زندگی کا مہد سے لحد تک کوئی دور کوئی طور کوئی حرکت و سکون کوئی بھی حالت خفی، جلی، غمی، خوشی، غرض زندگی کے تمام ہی شعبوں اور ہر ایک حال سے دین اور علم دین کا تعلق ہے، ادنیٰ سے ادنیٰ لمحہ زندگی اس سے باہر نہیں رہ سکا،

پس خیالات و عقائد، عبادات و دیانات، معاملات مع اپنی تمام تفصیلات انفرادیات، اجتماعیات، نکاح، طلاق، ایلاء، ظہار، عدت، رجعت، بیع شراء، شراکت، مرابحہ، مضاربت، وکالت، کفالت، رہن، ہبہ، عاریت، وقف، ودیعۃ، امانت، ضمانت، خانہ داری، تھانہ داری، تحصیلداری، ضلع اری، صوبہ داری، عدالت دیوانی، فوجداری، سپہ داری، ملک داری، خزانہ داری، وزارت داخلہ، وزارت خارجہ، محکمہ جات، جنگلات، نہریات، مسافر خانہ کی تعمیر کرانا اور پل سازی، سرحدوں کی حفاظت، جہادات و غزوات، اسی طرح داخلی انتظامات، نفاذ حدود و تعزیرات سیاسیات، وزارت تعلیمات، وزارت مالیات، محکمہ تحقیقات، محکمہ زراعات اور معدنیات و کنوز و دفائن، غیر ملکی شخص کے لئے اپنے ملک میں آنے داخل ہونے کے قوانین اور اس کے کاروبار تجارت وغیرہ سے متعلق آئین و ضوابط، پاسپورٹ ویزا، مسلم، ذمی، کافر مستامن، کافر حربی غیر مستامن اور اپنے یہاں غیر ملکی تاجر سے ٹیکس وصول کرنے وغیرہ، تمام امور کے متعلق احکام الٰہی دریافت کرنا جاننا یہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

سب علم دین ہے اور تمام امور کو خدا کے فرمان اور مرضی کے مطابق انجام دینا یہی دین ہے، اسی طرح اچھے یا بُرے اخلاق میں فرق و تمیز کر کے بد اخلاقیوں سے دور رہنا اور خوش اخلاقیوں سے اپنی انسانیت میں پختگی اور عمدگی پیدا کرنا، اخلاص و صدق پیدا کرنا، نفاق، ریاء اور شو دکھاوے سناوے اور شہرت سے پرہیز وغیرہ کرنا۔ آج تو ہر چیز میں شو دیکھی جاتی ہے، ریاء ہی ریاء کا غلبہ ہے، اسی کو جملہ امور زندگی میں اصل اور مقصود کا درجہ دیدیا، حالانکہ حدیث میں ان چیزوں سے جو ریاء اور شو کے قبیل سے ہوں شہرت سے متعلق ہوں پناہ مانگی گئی ہے اور ان کے اختیار کرنے پر بڑی بڑی وعیدیں وارد ہوئی ہیں، اس لئے ان چیزوں سے بچنا ضروری اور لازمی ہے۔

ہاں تو اخلاص کی ضد ریاء سمعہ شہرت وغیرہ سے بچنا، صبر و قناعت اپنے اندر لانا، حرص طمع لالچ بے صبری، بے قراری، جلد بازی، عجلت پسندی سے بچنا، شکر اور قدر دانی کے ساتھ رہنا، بے قدری، ناشکری کو اپنی طبیعت سے نکالنا، تواضع، عاجزی، انکساری کی عادت بنانا، اور تکبر و عُجب، خود پسندی، خود ستائی جو نہایت گندی عادتیں ہیں، ان سے متنفر اور محترز و مجتنب رہنا، توکل اور حلم و برداشت تحمل اپنی طبیعت بنالینا، اور خود اعتمادی، تدابیر و اسباب سے قلبی توجہ و نظر ہٹائے رکھنا، اور غضب و غصہ، تند مزاجی، سخت گیری، خورد گیری سے نہایت اہتمام کے ساتھ بچتے رہنا، معاشرتی امور اتفاق، اتحاد، صلہ رحمی عفو و کرم، چھوٹوں پر رحمت و شفقت و مہربانی، بڑوں کا ادب و احترام، اعزاز و اکرام، قرابت داروں کے ساتھ، غیر قرابت داروں، پھر متعارف غیر متعارف لوگوں کے ساتھ، ہمسایوں، پڑوسیوں، احباب رفقاء امراء فقراء علماء، طلباء اہل اسلام، غیر اہل اسلام سب کے ساتھ حسب مراتب اخلاق و مروت کا برتاؤ کرنا۔

غرض انسانی زندگی کے تمام اطوار و ادوار، اقوال، افعال، احوال، حرکات و سکنات، نشست و برخاست، کوئی حالت بھی دین سے باہر نہیں، دین نے انسان کی ہر چیز میں صفائی ستھرائی اور عمدگی اور اعلیٰ درجہ کی سنجیدگی اور بلند پایہ تہذیب عطا فرمائی ہے، اور یہ محض کہنے ہی کی بات نہیں بلکہ جس کا جی چاہے تجربہ کر کے دیکھ

toobaa-elibrary.blogspot.com

لے کہ علم دین کے برابر دنیا بھر میں کوئی دستور العمل اور کوئی تعلیم تہذیب اور صحیح معنی میں انسانیت نہیں سکھلاتی، چنانچہ ایک وہ شخص لیجئے جس پر علم دین نے پورا اثر کیا ہو اور ایک وہ شخص لیجئے جس پر تہذیب جدید اور نئی تعلیم نے پورا اثر کیا ہو، پھر دونوں کے اخلاق و معاشرت و معاملات کا موازنہ کیجئے تو آسمان و زمین کا فرق ملے گا، یہ الگ بات ہے کہ کسی کے ذہن میں کوئی دیندار ایسا آوے جس میں تہذیب حقیقی کی کمی ہو تو اس کی وجہ یہ ہوگی کہ اس نے علوم دینیہ کا پورا اثر نہیں لیا، چونکہ دین کے اجمالی اور اصولی طور پر پانچ اجزاء ہیں، عقائد، عبادات، معاملات، معاشرات، اخلاق باطنہ، تو بعضے لوگ صرف نماز، روزہ کے احکام جاننے کو علم دین اور ان احکام کی پابندی کرنے والے کو دیندار کا لقب دیدیتے ہیں، سو خود یہی غلط ہے، انھوں نے ادھورے دین پر نظر کی اسلئے انھیں غلط فہمی ہوئی کہ دین یا دینداری میں کمی و کمزوری کا خیال کیا، حالانکہ جس کو دیندار کا لقب دے کر قلیل التہذیب قرار دیا گیا ہے وہ واقع میں سب اجزاء دین نہیں رکھتا، اور ہماری گفتگو اس شخص کے بارے میں ہے جس نے سب اجزاء کا پورا اثر لیا ہو، اس میں شائستگی اور تہذیب اُس اعلیٰ پیمانہ پر ہوگی جس کی دوسروں کو ہوا بھی نہ لگی ہوگی۔

مولانا سید سلیمان ندویؒ کا تکمیلِ انسانیت کیلئے حضرت تھانویؒ کی طرف رجوع

یہی وجہ تھی کہ مولانا سید سلیمان صاحب ندویؒ جو بہت بڑے ادیب اور مصنف اور مقرر اور نو تعلیم یافتہ طبقہ میں نہایت مقبول تھے اور خود اپنے نزدیک تہذیب و ادب سے سرفراز تھے، جب حضرت تھانویؒ کی طرف رجوع ہوئے اور تھانہ بھون آمد و رفت کا سلسلہ ہوا اور مجالس شریفہ میں بیٹھنا ہوا تو انھیں صاف محسوس ہوا کہ میں اب تک دھوکہ میں تھا کہ اپنے کو مہذب سمجھتا تھا اور زعم علم میں مبتلا تھا، اب معلوم ہوا کہ مجھے تو علم و تہذیب کی ہوا بھی نہیں لگی، خود ان کے یہ الفاظ ہیں کہ میں اپنے آپ کو سمجھتا تھا کہ میں بہت کچھ جانتا ہوں، مگر اب معلوم ہوا کہ میں طفل مکتب بھی نہیں۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

غرض صحیح انسانیت اور حقیقی تہذیب علم دین کے برابر کسی علم سے حاصل نہیں ہو سکتی یہی علم دین تو تھا جس نے سلف میں اپنے اثر سے وہ اخلاق اور شائستگی پیدا کی کہ خود یورپ کو بھی اس کا اعتراف کرنا پڑا بلکہ اعتراف یعنی ان ہمارے اسلاف کی بہت سے اطوار اور عملی نمونے لینے پر مجبور ہوئے، چنانچہ سیاست ملکی کے بہت سے اصول حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کے ان لوگوں نے اپنائے، اسی طرح قرون ثلثہ مشہود لہا بالخیر یعنی حضرات صحابہ، تابعین، تبع تابعین کے زمانوں کے معاملاتی، معاشراتی، اخلاقی عروج کے حالات و واقعات تو مسلم ہیں ہی، خود زمانہ ماضی قریب کے اسلاف و اکابر کے حالات زندگی دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ ہر زمانہ میں علم دین اپنے متعلقین میں یہی اعلیٰ تہذیب اور حقیقی انسانیت پیدا کرتا ہے۔

حضرت تھانویؒ کی بلند ہمتی اور حسن معاشرت و اعلیٰ تہذیب

چنانچہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہے کہ آپ مرض الموت میں تھے، اسہال کا مرض تھا اور نہایت کمزور اور صاحب فراش ہو چکے تھے، رات کے وقت جب کہ سب گھر والے سو چکے تھے، آپ کو بیت الخلاء جانے کی ضرورت پیش آئی، کسی کو نہیں اٹھایا ان کی راحت میں خلل ڈالنا بالکل گوارا نہیں فرمایا، حالانکہ خود آپ کی شان محبوبیت اور پھر ایسی انتہائی کمزوری اور سخت بیماری کی حالت میں ظاہر ہے کہ کسی کو جگانے بیدار کرنے پر کیا تکلیف اور ناگواری ہوتی، بایں ہمہ آپ نے اپنی جانب سے تکلیف و گرانی کی صورت تک سے اس قدر اجتناب کیا اور ہمت کر کے بمشکل بیت الخلاء تشریف لے گئے، وہاں سے آتے وقت کمزوری اور بھی بڑھ گئی تھی، چنانچہ چند قدم چلنے پائے تھے کہ چکر آگیا اور آپ مکان کے صحن میں گر پڑے غشی طاری ہو گئی، کچھ دیر بعد غشی رفع ہوئی تو آپ اٹھ کر چارپائی پر تشریف لے آئے اور لیٹ گئے، ضعف انتہا کو پہنچ چکا تھا، استرخاء اعضاء کی کیفیت تھی اسی اثناء میں آپ کو یاد آیا کہ میرے ہاتھ میں لوٹا تھا وہ صحن میں ہاتھ سے چھوٹ گیا

toobaa-elibrary.blogspot.com

گھر والوں میں سے کسی کو اگر رات کو ضرورت پیش آئی اور لوٹا اپنی متعین جگہ نہ ملا تو انھیں تشویش اور تلاش کرنے کی دقت و پریشانی لاحق ہوگی، اس خیال سے آپ کو بے چینی ہوئی، اس لئے آپ ہمت کر کے اٹھے اور اپنی تکلیف اور کمزوری کی طرف التفات نہیں فرمایا اور اندھیرے میں صحن میں لوٹا تلاش فرما کر اس کی متعین جگہ لاکر رکھا تب آپ کی طبیعت کا خلجان رفع ہوا اور اطمینان و سکون ہوا۔

اللہ اکبر! اس درجہ علالت اور انتہائی ضعف اور استرخائی کیفیت میں بھی دوسروں کی راحت رسانی اور پریشانی سے بچانے کا خیال ایسا غالب آیا کہ چین نہ آیا جب تک لوٹا وہیں لاکر نہ رکھ دیا، دیکھئے یہ کس درجہ مخلوق کی رعایت اور ایثار و فتوت کی بات ہے کتنی اونچی تہذیب اور اعلیٰ اخلاق کی بات ہے، اپنے اوپر کافی تعب و مشقت منظور مگر دوسروں کو تکلیف و ایذاء اور ادنیٰ مشقت تو کیا اس کی صورت تک نہ پہنچ سکے، یہ دین ہی کا تو اثر تھا، کیا دنیوی علوم والے اور نئی تعلیم نئی تہذیب والے اس کی نظیر پیش کر سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں، اچھے اچھے تہذیب کے دعویداروں کے بس کی بات نہیں۔

حضرت گنگوہیؒ کا بلند حوصلگی اور تواضع میں کمال

اسی طرح حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہے کہ ایک دفعہ درس دے رہے تھے اوپر چھت سائبان وغیرہ نہ تھا، اچانک بارش ہونے لگی تو سب طلبہ جلدی جلدی کتابیں لیکر اندر پہنچ گئے اور مولانا گنگوہیؒ بارش میں بھیگنے سے بچانے کیلئے سب کی جوتیاں اٹھا کے کر اندر گئے، دیکھئے یہ کس درجہ بے نفسی اور حقیقی تواضع کی بات ہے، بڑوں کیساتھ تو ایسی تواضع کر ہی لی جاتی ہے مگر چھوٹوں کے ساتھ تواضع کون کرتا ہے اور وہ بھی شاگردوں کیساتھ، یہ ہے اخوت ہمدردی اور مروت اور دوسروں کی راحت رسانی، کس درجہ صفاء باطن اور وسعت حوصلہ کی بات تھی کہ دوسروں کی اور وہ بھی اپنے چھوٹوں کی جوتیاں اٹھانے میں ذرا بھی عار نہیں آئی، یہ تو نمونۃً ایک بات تھی، اس قسم کے واقعات سے ان حضرات کی زندگی لبریز ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی تواضع و بے نفسی

اسی طرح حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہے کہ ایک دفعہ مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کسی بات پر ناراض ہو کر مدرسہ دیوبند چھوڑ کر نانوتہ چلے گئے، تو مولانا محمد قاسم صاحبؒ نانوتہ تشریف لے گئے اور مولانا محمد یعقوب صاحبؒ سے کہا حضرت تشریف لے چلیں، فرمایا ہرگز نہیں جاؤں گا، اسی طرح ادھر سے اصرار اُدھر سے انکار ہوتا رہا۔ بالآخر مولانا نانوتویؒ نے سر سے ٹوپی اتار کر مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کے پیروں پر رکھ دی، حالانکہ مولانا محمد یعقوب صاحبؒ عمر میں بھی چھوٹے تھے اور شاگرد بھی تھے، پھر بھی مولانا محمد قاسم صاحبؒ نے اس پر نظر نہیں فرمائی اور اس درجہ اکرام و احترام کا معاملہ صرف ان کے استاذزادے ہونے کی بناء پر کیا، اپنے بڑے ہونے کا استاذ ہونے کا ذرا بھی خیال نہیں فرمایا، آج ایسا کون کرتا ہے، یہ مولانا نانوتویؒ کی بے نفسی اور اپنے کو دوسرے کے مقابلہ کمتر سمجھنے کی تو بات تھی، جس کی مثال آج پیش نہیں کی جا سکتی۔

حضرت مدنیؒ اور بیمثال ادب و احترام

اسی طرح حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہے کہ ایک دفعہ بھیسانی جلسہ میں تشریف فرما تھے بہت سے لوگوں نے بیعت کی درخواست کی اور اصرار تک کی نوبت آئی لیکن حضرت برابر انکار فرماتے رہے حتی کہ لوہاری کے ایک خاں صاحب جن کو حضرت کیساتھ ایک خصوصی تعلق تھا انھوں نے بھی بعضوں کیلئے سفارش فرمائی مگر بیعت نہیں فرمایا، بعضوں کیلئے مولوی (سید عابد حسین) صاحب مرحوم نے بھی سفارش کی کہ حضرت یہ بہت بے قرار ہیں دل تھوڑا کر رہے ہیں ان کو تو بیعت فرما ہی لیں، حضرت نے سختی کیساتھ فرمایا، میں کہہ چکا ہوں پھر بھی اصرار کر رہے ہیں، میں یہاں بیعت نہیں کروں گا۔ یہاں (حضرت مولانا) مولوی مسیح اللہ صاحب موجود ہیں، ان کے ہوتے ہوئے میں بیعت کروں یہ ہرگز نہیں ہو سکتا، اگر ایسا ہی شوق ہے تو دیوبند آجائیں، یہ واقعہ مجھ سے مولوی صاحب مرحوم نے بیان کیا تھا۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

غرض حضرت نے بھیسانی کسی کو بیعت نہیں کیا، حالانکہ میں ان کے سامنے کا بچہ اور ان کا شاگرد ہوں پھر بھی یہ لحاظ یہ خیال، یہ تھا ان حضرات کا کمال کہ شاگردوں کے ساتھ بھی وہ معاملہ لحاظ کا فرماتے تھے، آج تو اپنے استادوں کے ساتھ بھی ایسا ادب واحترام، لحاظ وخیال نہیں کیا جاتا، صحیح علم اور کامل دین کے یہ آثار ہوتے ہیں۔

اس سے ثابت ہوا کہ علم دین ہی ایک ایسی چیز ہے جو انسانی ذوات وافراد، انفرادی واجتماعی، تدبیر منزل، سیاست مدنی، مملکت وسلطنت کی تعمیر وتہذیب کرکے خدا سے وابستہ اور اس کی رحمتوں کے مظہر بنا کر پورے عالم کو امن چین، سکون اطمینان راحت وآرام کی دولتیں عطا کرتا ہے مثلاً خلفاء راشدین وغیرہم کے دور خلافت وعہد حکومت دیکھ لیجئے اس کے سوا جتنے فن وہنر ہیں اور جن کو علم کہا جاتا ہے ان سے یہ چیزیں پیدا نہیں ہوسکتیں، بلکہ جیسا ابھی عرض کیا ان سے تو خدا پرستی کے بجائے خود پرستی، خود غرضی، تن پروری، تن آرائی کے تقاضے اور جذبات پیدا ہوکر عالم کے عالم میں ظلم وفساد کی ظلمتیں اور اندھیریاں چھاتی ہیں، لہٰذا یہ سب کے سب سراپا جہالت وظلمت ہیں ان کو مشارکت فی الاسم کے سوا علم سے کوئی تعلق نہیں، یعنی ان تمام جاننے کی چیزوں اور صورتوں پر صرف علم کا نام لگا دیا گیا ہے، حقیقت کے اعتبار سے یہ علم کہلانے کے ہرگز قابل نہیں، جیسے بے جان اور مردہ تصویروں، صورتوں، مورتوں پر نام لگا دیا جاتا ہے، حیوانات کی تصویروں کو مثلاً بیل، بھینس، گھوڑا، شیر وغیرہ کہہ دیا جاتا ہے، سب ہی جانتے ہیں کہ ان بے جان اور مردہ تصویروں سے وہ کام اور فوائد ومنافع ہرگز نہیں حاصل ہوسکتے جو اصلی اور حقیقی بیلوں، بھینسوں، گھوڑوں سے حاصل ہوتے ہیں شیر کے خواص واثرات شیر کی صورت بے جان میں ہرگز نہیں پائے جاتے تو ان تصویروں کو نام لگا دینے سے حقیقتیں اور ان کی صفتیں بالکل حاصل نہیں ہوتیں، اسی طرح ان اشیاء مذکورہ کے جاننے اور واقف ہونے کی چیزوں کو جو علم کہا جاتا ہے وہ محض برائے نام کہا جاتا ہے۔ تو صرف نام سے کیا کام چل سکتا ہے، کسی شئی کا نام کسی کو لگا دینے سے اس کے لوازم اور خواص نہیں آیا کرتے، اس لئے از روئے

toobaa-elibrary.blogspot.com

حقیقت آج کے علم و تہذیب، محض جہل اور جہالت ہیں، جہالت ہی کے آثار و لوازم ان کے ساتھ قائم و دائم ہیں۔

ایسے ہی علم کے متعلق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے ان من العلم لجھلاً۔ کہ بعض وہ چیزیں جن کو علم کہا جاتا ہے، جن کا نام علم رکھا جاتا ہے وہ بالیقین اور قطعی طور پر بری اور شدید جہالت ہوتی ہیں، ان کو علم سمجھنا جہل عظیم ہے، پس یہ خیال کرنا کہ علم جس کے سبب انسان اشرف المخلوقات اور سردار کائنات ہوا، جس سے انسان صحیح معنی میں انسان بنتا ہے، اصلی انسانیت اور آدمیت آتی ہے وہ عام ہے خواہ کوئی بھی علم ہو، یہ خیال بالکل غلط اور محض باطل ہے، جیسا کہ ابھی واضح کیا گیا۔

اس بیان سے اس خیال کی گنجائش ہی ختم ہو گئی، اس لئے سائنس، جیومیٹری ڈاکٹری، انجینری، انسپکٹری، کلکٹری، لاٹری وغیرہ تمام علوم و فنون متعلقہ سرمایہ داری مالداری، ملک داری میں سے کوئی بھی شرافت و فضیلت کا باعث اور بذات خود شرف و کمال قرار نہیں دیا جا سکتا۔

ایسا علم جو تعمیر انسانیت اور تہذیب و شرافت کا ضامن، باعث امن و امان۔ رحمتِ کون و مکان، اور حسن زمین و زمان ثابت ہو، وہ قطعی اور یقینی طور پر علم دین علم شریعت، علم وحی اور معرفت الٰہی، علم ربانی ہی ہے۔

چونکہ علم درحقیقت نور ہے، اور نور سے راحت و سکون پھیلتا ہے، اس سے رونق آتی ہے، زینت و زیبائش ہوتی ہے، ظلم و ظلمت، تباہی و بربادی، شر و فساد رفع دفع ہوتا ہے، اور یہ سب علم دین کے سوا کسی اور فن و ہنر سے نہیں ہوتا۔

پس علم دین ہی مدار حیات، غذائے روح انسانی، بقاء عالم فانی ہوا۔

اب آپ کو بخوبی اور پوری وضاحت و تفصیل کے ساتھ معلوم ہو گیا کہ دین اور علم دین کی وسعت اور ہمہ گیری فرد سے لے کر جماعت اور جماعت سے لے کر ملک و حکومت مع جمیع متعلقات داخلی و خارجی، وقتی و دائمی سب کو حاوی و شامل ہے، جس کی جزئیات لاتعداد اور بے شمار ہیں تو ظاہر ہے کہ اس قدر جزئیات کا علم و فہم

toobaa-elibrary.blogspot.com

قرآن وحدیث سے ان کا اخذ واستنباط کس درجہ ملکہ اور قوت اجتہاد اور کتنے اعلیٰ درجہ کے تیقظ وبیدار مغزی، زبردست ذکاوت وجودت طبع، سرعۃ فہم کو مقتضی ہوگا، یہی وہ چیز ہے جس کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے افاضہ خاص حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر عالم خواب میں فرمایا، اس لئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اعلم الناس اور افقہ الصحابۃ (الموجودین فی دورہ وزمانہ) ہوئے۔

غرضیکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ افقہ الصحابہ ہیں، اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ احفظ الصحابہ ہیں، تو اول کتاب میں حدیث انما الاعمال بالنیات جو اعمال واحکام سے متعلق ہے کہ نیت اعمال میں روح الارواح اور مدار اعمال اور مدار ثمرہ ہے، اسی لئے صوفیائے کرام نیت کی تصحیح واخلاص میں برابر لگے رہتے اور عمر میں صرف کر دیتے ہیں، ہاں تو یہ انما الاعمال والی حدیث اعمال مکلفین سے متعلق اور فقہی چیز ہے جس میں راوی کا افقہ ہونا ضروری ہوتا ہے، اس لئے اس پہلی حدیث کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے لائے چونکہ وہ افقہ الصحابہ ہیں۔

اور آخری حدیث وزن اعمال کے بارے میں ہے جو منتہائے اعمال اور ثمرہ اعمال ہے اور متعلق بالعقیدہ متعلق بالفضیلۃ والترغیب ہے جس میں راوی کا احفظ ہونا کافی ہوتا ہے، اس لئے اس کو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ احفظ الصحابہ کی سند سے آخر کتاب میں لائے۔

سبحان اللہ ابتداء اور انتہاء بخاری شریف کی کس عجیب حسن ترتیب کے ساتھ واقع ہوئی۔

یہ دوسری وجہ تھی اس حدیث کو کتاب بخاری شریف کے آخر میں لانے اور اس کو خاتمۃ الکتاب بنانے کی، اب تیسری وجہ سنئے۔

اس حدیث کو آخر کتاب میں لانے کی تیسری وجہ

تیسری وجہ یہ ہے کہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

امام بخاریؒ اپنی کتاب کو پوری کر رہے ہیں اور کام کو ختم فرما رہے ہیں چاہتے ہیں کہ میری باب اول سے آخری باب تک مجلس ذکر رسول کی مجلس تھی، چونکہ ذکر رسول اسی میں منحصر نہیں کہ بس میلاد کر لیا، زبان سے کچھ کلمات اور نعت وثنا وصف و تعریف کر لی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات احادیث شریفہ کا ذکر بھی ذکر رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے۔ ہاں تو اب امام بخاریؒ اپنے کام سے فارغ ہو رہے ہیں، علمی مجلس اور مجلس ذکرِ رسول سے اٹھ رہے ہیں، اس لئے چاہتے ہیں کہ تسبیح و استغفار آخری کلمات ہوں تاکہ جو کچھ فروگذاشتیں ہوئی ہوں ان سے معذرت اور قبولیت کی درخواست پیش کر دیں، حق تعالیٰ کی طرف رجوع ہو جائیں تاکہ نفس میں عُجب و خود بینی آکر نیکی برباد گناہ لازم کا مصداق ہو کر روحانی ہلاکت اور قلبی آفت کے ادبار سے حفاظت اور نفس و شیطان کی شرارت و سازش سے خدا کی پناہ میں آجائیں اور جوار رحمت اور سایہ رحمانیت میں جگہ پاکر کامیابیوں اور سرفرازیوں سے بہرہ اندوز ہوں، اسی لئے حدیث شریف میں وارد ہے کہ جب تم کسی کام کو کسی مجلس کو ختم کرو تو یہ کلمات کہو: ظاہر و باطن اور قال و حال یہ کہہ رہا ہو سبحانک اللھم وبحمدک اشھد ان لا الہ الا انت استغفرک واتوب الیک، اس میں تسبیح و تحمید اور اقرار و شہادت توحید مستلزم عظمت و تعظیم الاحق اور اپنی تحقیر و حقارت، اعتراف ذنوب اور طلب مغفرت بعنوان دیگر تواضع و عبدیت باستحضار گناہ و ذلت کا حال اپنے اوپر طاری کرو، اپنے کو بڑا اور باکمال مت سمجھو، خدا کی عظمت و جلالت کا استحضار کرو اور اچھا کام اچھی طرح کر کے بھی خدمت و طاعت کا حق ادا نہ سمجھو بلکہ اپنی حیثیت اور اپنے خالق و مالک کی علو شان کو سامنے رکھتے ہوئے سراپا تقصیر سمجھو اور معافی چاہو۔ ؎

بندہ ہماں بہ زتقصیر خویش　　　عذر بدرگاہ خدا آورد

یہی بات ان کلمات حدیث میں مجتمع اور موجود ہے، سبحان اللہ وبحمدہ میں تسبیح و تحمید اور سبحان اللہ العظیم میں خدا کی عظمت اور علو شان اور اس کے باکمال ہونے کا اقرار و شہادت جو اپنے سراپا عیب ہونے اور اپنی ذلت و حقارت اور

toobaa-elibrary.blogspot.com

پُر از گناہ ہونے کے اعتراف اور معافی و معذرت کی چاہت کو مستلزم ہے، اس لئے اس حدیث کو آخر میں لائے کہ باتباع ارشاد نبوی کفارہ مجلس ہو جائے اور کید نفسانی و شیطانی سے حفاظت رہے۔

نیز تاکہ امت کو اور بالخصوص طالبان علوم نبویہ، طلبہ دین کو انتباہ ہو جائے کہ باوجود اخلاص کا اہتمام کرنے کے بھی خطرہ رہتا ہے، جہاں ذرا بے فکری ہوئی کیا کرایا کام خراب ہوا، اس لئے علم حاصل کرنے ہی تک نہ رہیں اپنی اصلاح کی بہت فکر رکھیں اور اپنے ظاہر کے ساتھ ساتھ باطن کی حفاظت کئے بغیر کامیابی خطرہ میں سمجھیں یہی معنی ہیں (حدیث) والعالمون علی خطر الا العاملون والعاملون علی خطر الا المخلصون والمخلصون ایضاً علی خطر کے۔

حدیث کو آخر میں لانے کی چوتھی وجہ

چوتھی وجہ اس حدیث کو آخر میں لانے کی یہ ہے کہ سبحان اللہ وبحمدہ سے خوشی کا اظہار فرما رہے ہیں اور شکر کر رہے ہیں، گویا یوں فرما رہے ہیں کہ میں ابتدا کتاب سے انتہا کتاب تک، شروع بخاری سے ختم بخاری تک تمام مذاہب باطلہ مرجیہ، کرامیہ، جہمیہ، خوارج، معتزلہ کی تردید اور مذہب اہل حق کا بدلائل قاطعہ و براہین ساطعہ مدلل و مکمل طور پر اثبات کر دکھایا، اہل باطل سے ایک مقابلہ تھا اس میں انھیں ناکامی اور شکست ہوئی اور مجھے کامیابی اور فتح ہوئی، اس لئے اب فتح و کامیابی پر کسر النفسی و شکراً للہ کہتا ہوں، سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم۔

اس سے اہل باطل کو بتلا دیا اور آگاہ کر دیا کہ جس طرح باطل یہاں کمزور رہے اور اہل باطل کا پلڑا ہلکا ہے اور ہمارا اہل حق کا پلڑا وزنی اور بھاری ہے، اسی طرح قیامت میں بھی اے اہل باطل تمہارا پلڑا ہلکا اور ہمارا بھاری رہے گا۔

پانچویں وجہ توابع کی انجام دہی کے بعد مقصد اصلی کیطرف رجوع

پانچویں وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے اذا جاء نصر اللہ والفتح

toobaa-elibrary.blogspot.com

اس ارشاد باری تعالیٰ کا کہ جب کامیابی اور مقصد برآری ہو جائے اور ہماری نصرت و امداد سے کام اتمام کو پہنچ جائے، سوانح مرتفع ہو کر کامیابی باعث ثمرات و نتائج ہو جائے تو تسبیح و تحمید و استغفار کے ساتھ ہماری طرف توجہ اور رجوع و انابت ہونا چاہیے، کہ دنیا میں انسان کی زندگی سے مقصد بالذات یہی چیز ہے دیگر امور و مشاغل اسی کے واسطے مشروع و مامور ہوتے ہیں، تو سب اسی انابت و عبادت، طاعت و معرفت کے وسائل اور ذرائع ہیں اور عقل و نقل دونوں کا مقتضا ہے کہ جب ذرائع سے فراغت ہو جائے تو مقاصد اور اصلی غرض میں مشغول ہونا چاہیے پس ہم حکم دیتے ہیں کہ جب توابع کو انجام دے چکو تو مقصد اصلی مرکز حقیقی یعنی رجوع الی اللہ اختیار کرو، فاذا فرغت فانصب والی ربك فارغب۔

ایک علمی لطیفہ

اب ایک اعجوبہ سنو! بہت ہی عجیب غریب بات ہے، وہ یہ کہ امام بخاریؒ نے نہایت عمدگی کے ساتھ اس کا نباہ فرمایا۔

لطافت و غرابت ملاحظہ ہو کہ جس طرح ترجمۃ الباب دولائے تو اس کے تحت

عہ ایک مرتبہ اس حدیث شریف کے آخر کتاب میں لانے کی وجوہ کو حسب ذیل عنوان سے بیان فرمایا تھا۔

نویں بحث یہ ہے کہ اس حدیث کو آخر کتاب میں کیوں لائے؟ سو اس کی کئی وجوہ ہیں، اول یہ کہ یہ عالم دنیا اول ہے اور عالم قیامت، عالم آخرت آخر ہے، دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ یہ عالم دار العمل ہے اور وہ عالم دار الجزاء ہے، اس لئے اول کتاب میں اول عالم سے متعلق چیز اعمال کا ذکر فرمایا کہ متعلق بالدنیا ہیں، چونکہ دنیا دار العمل ہے، اس لئے اعمال کے ذکر پر مشتمل حدیث انما الاعمال بالنیات کتاب کے شروع میں لانا نہایت انسب اور احسن ہوا کہ قیامت میں وزن اعمال کا وقوع ہو کر میزان کا خفیف و ثقیل ہلکا و بھاری ہونا ظاہر ہوگا، پھر جس کا نیکیوں کا پلڑا بھاری ہوگا وہ جنت میں اور جس کا نیکیوں کا پلڑا ہلکا

toobaa-elibrary.blogspot.com

روایت سند اور متن میں بھی اسی کی رعایت فرماتے ہوئے حدثنا بھی دولائے قال بھی دولائے عن بھی دولائے اور حدیث میں کلمے بھی دولائے۔

ہوگا وہ جہنم میں داخل کر دیا جائے گا، بہرحال اول کتاب کے مناسب وہ حدیث اور آخر کتاب کے لائق ومناسب یہ حدیث۔ اس طرح کتاب بخاری شریف کی ابتدا بھی النسب واحسن اور انتہا کتاب بھی النسب واحسن، دونوں جگہ حسن وخوبی کی پوری پوری رعایت فرمائی۔

دوسرے یہ کہ ہر عمل کی ایک ابتدا ہوتی ہے اور ایک انتہا ہوتی ہے، بلفظ دیگر ہر عمل کا ایک مبدأ ہوتا ہے اور ایک منتہا ہوتا ہے، تو ہر عمل کا مبدأ باعتبار روح عمل اور باعتبار اثر عمل وتعلق ثمرہ، اخلاص ہے، اس لئے نیت اور اخلاص کی حدیث کو اول لائے، تو اعمال اور احکام بیان کرنے سے پہلے ان کا مبدء ذکر فرمایا تاکہ بنیادِ عمل صحیح ہو کر اعمال کی عمارت و تعمیر صحیح اور پختہ طور پر چلے، اس لئے شروع کتاب میں انما الاعمال والی حدیث کا لانا مناسب ہوا۔

اسی طرح کتاب کے آخر میں جو حدیث لائے وہ بھی منتہائے اعمال کے پیش نظر نہایت مناسب تھی، جس کی تفصیل یہ ہے کہ عمل کا منتہا باعتبار حصول ثمرہ، وزن اعمال ہے جو قیامت میں ہوگا، اس لئے اعمال کے بیان سے فارغ ہونے کے بعد منتہائے اعمال یعنی وزن یوم القیامۃ کی حدیث کو آخر میں لائے، غرض امام بخاریؒ نے عجیب ترتیب اختیار فرمائی کہ جو حدیث مبدء الاعمال یعنی اخلاص کے بیان پر مشتمل تھی اس حدیث اخلاص کو شروع میں لائے، اور جو حدیث منتہائے اعمال یعنی وزن یوم القیامۃ پر مشتمل تھی اس کو آخر میں لائے، تو اول اعمال کو اول کتاب میں اور آخر اعمال کو آخر کتاب میں لائے

سبحان اللہ! بخاری شریف کی ابتداء اور انتہا کس عجیب حسن ترتیب کے ساتھ ہے، اس ربط ابتداء وانتہا کی حسن ترتیب کے علاوہ دوسرے اور بھی حسن ہیں۔

چنانچہ ایک حسن یہ ہے کہ امام بخاریؒ جب بمقابل اہل باطل از ابتدا تا انتہا، عموماً اور دعوی اثبات وزن اعمال فی القیامہ میں بمقابل معتزلہ خصوصاً بدلائل غالب

toobaa-elibrary.blogspot.com

دوسرے عنوان سے یہ کہیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو کلمے فرمائے تھے حضرت امام بخاریؒ نے اس کا ایسا اتباع فرمایا۔ اس قدر رعایت و اہتمام سے کام لیا کہ

آگئے تو فاتحانہ شکراً للنعمۃ وکسراً للنفسہ ختم بیان پر سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم کلمات تنزیہہ وتحمید کے ساتھ گویا ہوئے اور یہ اشارہ فرما گئے کہ بالآخر حق ہی غالب ہوتا ہے، اور یوم قیامت وزن اعمال کے وقت اہل حق ہی کا پلڑا بھاری ہوگا اور وہی بدرجہ کمال ناجی اور صاحب اکرام واعزاز ہوں گے۔

دوسرا احسن یہ ہے کہ امام بخاریؒ مجلس ذکر احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق سبحانہ تعالیٰ کی تسبیح وتحمید جو معنی استغفار پر مشتمل ہے اس پر ختم فرما رہے ہیں۔ تاکہ کفارہ مجلس ہو جائے، تو ختم مجلس بھی اتباع سنت کے ساتھ فرمائی، سبحان اللہ کیا ہی خوبی وحسن وجمال اور فضل وکمال ہے۔

تیسرا احسن یہ ہے کہ امام بخاریؒ نے بخاری شریف کا ختم خدا تعالیٰ کے ذکر، تسبیح و تحمید پر کیا، تاکہ ذکر اللہ اور تسبیح وتحمید کی برکت سے اس کتاب کا اختتام بلکہ پوری کتاب اور زیادہ بابرکت ہو جائے،

نیز اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ یہ جمع احادیث کا کام میرا کمال نہیں، میری خوبی کی بات نہیں، یہ تو محض حق تعالیٰ کا فضل وکرم اور ان کی توفیق ہوئی، مجھ میں تو ہزاروں بشری کمزوریاں اور نقائص وخامیاں ہیں، اس لئے میں اس مبارک و پاکیزہ کام کے قابل نہ تھا، ہر عیب ونقص بلکہ شمۂ عیب تک سے بالکلیہ پاک حق تعالیٰ شانہ کی ذات والاصفات ہی ہے، انھیں کا احسان وکرم ہے کہ مجھ سے خدمت دین خدمت احادیث لے لی۔

یہ ہے عبدیت کی شان اور فنائے نفس کی بات، اس میں ہم کو سبق دیا کہ ہمیشہ کسی نیک کام کو کر کے اپنے اوپر نظر نہ کرنا بلکہ حق تعالیٰ کی طرف کرنا، دین کا کام کرنا دینی خدمت کرنا یہ تمہارا دین پر احسان نہیں بلکہ خدا ہی کا تم پر احسان ہے، اسی کو ارشاد فرمایا ہے

toobaa-elibrary.blogspot.com

باب۔ میں ترجمے دو دعوے بھی دو قائم فرمائے، دلیل بھی دو بیان فرمائی حدثنا بھی دو دفعہ قال بھی دو جگہ عن بھی دو مرتبہ، غرض سب جگہ دو دو ہی چیزیں لائے، تو حدیث کا ایسا اتباع فرمایا کہ دو کے عدد کو ہر جگہ نباہا، یہ نویں بحث تھی کہ اس حدیث کو کتاب کے آخر میں کیوں لائے۔ اس کو خاتمۃ الکتاب کیوں بنایا، اس کے پانچ وجوہ آپ حضرات نے سن لئے۔

دسویں بحث حدیث شریف کو ترجمۃ الباب سے مناسبت

اب دسویں بحث جو آخری بحث ہے وہ یہ ہے کہ اس حدیث شریف کو ترجمۃ الباب کے ساتھ کیا ربط اور کیا مناسبت ہے؟ سو اس کا جواب یہ ہے کہ باب میں قیامت کے دن وضع میزان اور وزن اعمال کا عنوان تھا، اسی عنوان باب کا دوسرا نام ترجمۃ الباب ہے، اور حدیث شریف میں ثقیلتان فی المیزان کا لفظ ہے جس میں میزان کا ذکر تو صراحۃً اور وزن اعمال دلالۃً موجود ہے کہ ثقیلتان کا لفظ اپنے مشتق منہ پر مطابقۃً اور وزن اعمال پر التزاماً دال ہے، لہٰذا دعوے یعنی ترجمہ باب

قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ إِسْلَامَكُمْ ۖ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ أَنْ هَدَاكُمْ لِلْإِيْمَانِ۔

اسی کا فارسی میں یوں ترجمہ ہے ؎ منت منہ کہ خدمت سلطاں ہمی کنی ؛ منت شناس ازو کہ بخدمت بداشتت۔ اور اردو میں یہ ہے ؎ تمہاری کیا حقیقت تھی میاں آہ ؛ یہ سب امداد کے لطف و کرم ہیں۔ واقعی امداد الٰہی و توفیق ایزدی کے بغیر انسان کی کیا مجال کہ معمولی کام بھی انجام دے سکے، ؎ آدمیت دادہ ای بعدم مسلماں کردہ ای ؛ اے خدا قربان شوم احساں بر احساں کردہ ای۔ تو اس قدر محاسن جمع ہیں امام بخاریؒ کے اس حدیث شریف پر کتاب کو ختم فرمانے میں۔

نیز ایک اور عجیب حسن اور لطافت ہے، وہ یہ کہ حدیث کی روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کلمتان فرمایا یعنی دو کلموں کی فضیلت بیان فرمائی، حضرت امام بخاریؒ نے اس دو کلمے کی ایسی رعایت فرمائی کہ اس باب میں دو ترجمے و دعوے رکھے اور دو ہی دلیلیں بیان فرمائیں پھر ہر چیز دو دو ہی لائے عنعنہ بھی دو، حدثنا بھی دو۔ قال بھی دو، غرض اول سے آخر تک اس دو عدد کی رعایت فرمائی، اس حسن در حسن کے ساتھ امام بخاریؒ نے بخاری شریف کو ختم کیا۔ اللہ اکبر۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

پر دلیل یعنی حدیث پوری پوری منطبق ہے، الحمد للہ تعالیٰ حدیث سے متعلق جو بحثیں تھیں وہ بتوفیقہ تعالیٰ ختم ہوگئیں ۔

حدیث میں مسند کو مقدم اور مسند الیہ کو مؤخر کیوں فرمایا

اب حدیث کا ترجمہ کر کے بیان کو ختم کرتا ہوں، فرماتے ہیں کلمتان کہ دو کلمے ہیں، یہاں مسند اور مسند الیہ میں گفتگو ہے کہ کون مقدم ہے اور کون مؤخر؟ علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ کلمتان سے فی المیزان تک مسند الیہ اصل ترتیب کے موافق مقدم ہے، اور سبحان اللہ وبحمدہ آہ مسند مؤخر ہے، لیکن جمہور علماء اس کے عکس کے قائل ہیں، فرماتے ہیں یہاں سبحان اللہ وبحمدہ آہ مسند الیہ مؤخر ہے اور کلمتان سے فی المیزان تک یہ مسند مقدم ہے ۔

اب یہ سوال پیدا ہوگا کہ ترتیب اصلی کے برخلاف مسند الیہ کو کیوں مؤخر فرمایا گیا

اس کا جواب یہ ہے کہ کلام میں بلاغت ہے، اور بلاغت کا قاعدہ ہے کہ کبھی مسند الیہ کو تشویق کی غرض سے مؤخر کر دیا جاتا ہے، چنانچہ یہاں کلمتان سن کر انتظار ہوا کہ وہ کیا ہیں تو ایک اشتیاق تو یہیں سے پیدا ہوگیا، پھر فضیلت سنی کہ وہ بہت ہی پیارے ہیں پھر مزید فضیلت سامنے آئی کہ وہ زبان پر بہت آسان ہلکے پھلکے ہیں، یہاں انتظار و شوق مسند الیہ کی طرف اور بھی بڑھ گیا مگر اس سے ایک وہم بھی ہو سکتا تھا کہ جب کام معمولی اور ہلکا اور بہت آسان ہے تو اجر بھی یوں ہی چلتا ہوا سا معمولی قسم کا ہوگا، فرمایا نہیں وہ تو نہایت اجر والے ہوں گے، اب تو نہایت شدت کے ساتھ ان کے معلوم کرنے کا شوق اور ان کے جاننے کا شدید انتظار پیدا ہوگیا تو اس میں پوری پوری تشویق و تحریض ہوگئی اظہار و اعلام رفعت و درجت ہوگیا

ترجمہ حدیث شریف

اب ترجمہ سنئے، دو کلمے رحمٰن کو نہایت ہی پیارے ہیں، گویا اس میں فرمادیا کہ جو ان دو کلموں کو

سے ایک دفعہ اس طرح فرمایا تھا: - اب ترجمہ کر کے ختم کرتا ہوں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

toobaa-elibrary.blogspot.com

ادا کریگا، اس کو وہ لقب دیا جائے جو میرے حبیب کا ہے، کہ یہ کلمے حبیب ہیں تو ان کو ادا کرنے والا بھی ہمارا حبیب ہوجاوے گا۔

اس سے دل میں تڑپ پیدا ہوئی کہ وہ کیا ہیں، ایسا تو نہیں کہ ان العطایا

نے فرمایا کلمتان حبیبتان الی الرحمٰن کہ دو کلمے رحمٰن کو بہت ہی پیارے ہیں خفیفتان علی اللسان زبان پر نہایت ہلکے ہیں ثقیلتان فی المیزان تولنے میں بہت بھاری ہیں۔ کلام میں بلاغت بھی کس عجیب ترتیب کو لئے ہوئے ہے۔

اول فرمایا کہ وہ دو کلمے ہیں جو رحمٰن کو بہت ہی پیارے ہیں بڑے ہی محبوب ہیں، یعنی ان کے پڑھنے سے وہ پڑھنے والا رحمٰن کا دوست، حبیب ہوجاتا ہے، اللہ اللہ وہ لقب جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا لقب ہے حبیب، وہ ان کلموں کے پڑھنے والے کو ملتا ہے، یہ سن کر اشتیاق ہوا کہ وہ دو کلمے کیا کیا ہیں جن کے پڑھنے والا حبیب ہوجاتا ہے، تو فرماتے ہیں کہ وہ ہیں تو ایسے ہی مگر ساتھ ہی اس کے نہایت ہلکے پھلکے ہیں، زبان پر نہایت ہی سہولت سے ادا ہوجاتے ہیں، اب اور شوق بڑھا کہ فضیلت ایسی اور ادائیگی اس قدر سہل؟ پھر فرماتے ہیں اور سُن لو جب ترازو میں رکھے جائیں گے تو تول میں بہت ہی بھاری ہوں گے۔

جب یہ سنا تو اور بھی بے چینی ہوئی اضطراب ہوا، زبان حال کہنے لگے کہ یا رسول اللہ! اب تو فرما ہی دیجئے وہ کیا ہیں؟ اب بقاعدہ بلاغت کہ سند میں اس قدر خوبیاں تھیں ان کو اول بیان فرما کر سامع کو اس قدر مشتاق بنا دیا، پھر جب شوق حد سے بڑھ کر اضطراب کو پہنچا تو اب مسند الیہ کو بیان فرمایا کہ جن دو کلموں کے تم اس قدر مشتاق ہو رہے ہو کہ وہ دو کلمے رحمٰن کو بہت پیارے ہیں کہ ان کو پڑھنے سے اللہ تعالیٰ کا پیارا اور حبیب ہوجاتا ہے اور زبان سے ادا کرنے میں کوئی مشقت نہیں نہایت سہولت سے ادا ہوجاتے ہیں اور ثواب کے اندر تولنے میں نہایت ہی بھاری ہیں کہ ان گنت و لامتناہی ثواب وہ دو کلمے یہ ہیں

سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم۔ الحمد للہ تعالیٰ حق تعالیٰ کی توفیق اور اپنے شیخ کی برکت سے اور اساتذہ کے طفیل سے جو کچھ ذہن میں آتا گیا عرض کر دیا گیا اللہ تعالیٰ اپنے رسول کی پیروی اور علم کی اشاعت کی زیادہ سے زیادہ توفیق عطا فرمائیں اور علم و عمل میں برکت عطا فرمائیں اور قبول فرمالیں، وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔ (پھر ہاتھ اٹھا کر یہ دعا کی) اللھم انا نسئلک ایمانا کاملا ویقینا صادقا وعلما نافعا وعملا متقبلا وسعیا مشکورا وتوبۃ نصوحا وقلبا خاشعا ورزقا واسعا وذنبا مغفورا وتجارۃ لن تبور۔ ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم۔ وتب علینا انک انت التواب الرحیم وصلی اللہ علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ وبارک وسلم

toobaa-elibrary.blogspot.com

علے متن البلاء یا کے مطابق مشقت و محنت بہت زیادہ کرنا پڑے، اس لئے کہ اتنی بڑی عطا، اس قدر فضل و کرم، اعزاز واکرام یونہی حاصل ہوجانا کیونکر ہوسکتا ہے اس وہم اور خلجان کو خفیفتان علی اللسان فرماکر دفع فرمایا کہ نہیں یہ خیال مت کرنا کہ اس کی انجام دہی مشکل ہوگی، بلکہ زبان پر بڑے ہلکے پھلکے بہت آسان اور نہایت سہل ہیں، اس سے خیال ہوا کہ شاید اجر بھی ہلکا ہوگا کہ جیسا کام ویسا دام اس کا ازالہ فرمایا ثقیلتان فی المیزان کہ وہ قیامت کے روز وزن اعمال، وزنِ اقوال کے وقت میزان عمل میں بہت بھاری ہوں گے، ان کا اجر و ثواب بہت زیادہ ہوگا، حدیث شریف آتا ہے کہ جو شخص سو مرتبہ سبحان اللہ وبحمدہ کہتا ہے اس کے گناہ دور کر دیئے جاتے ہیں اگرچہ وہ گناہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں، یہ ثواب تو صرف سبحان اللہ وبحمدہ کہنے میں ہے، اور جب اس کے ساتھ اور کلمہ بھی ملا لیا جائے تو ظاہر ہے کہ پھر اس کا ثواب اس زائد کلمہ کے مناسب اور بھی بڑھ جائے گا جیسا کہ یہاں اس حدیث شریف میں دوسرا کلمہ ملا ہوا ہے، ان دونوں کا مجموعہ سبحان اللہ وبحمدہٖ سبحان اللہ العظیم ہے، یہ سن کر بہت بے چین اور مضطرب ہوگئے کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد تو فرمایئے کہ وہ دو کلمے کیا ہیں۔ اب ارشاد ہوتا ہے گویا یوں فرماتے ہیں کہ اچھا تمہارا شوق بڑھ گیا، والہانہ کیفیت ہوگئی اور اضطراب حد کو پہنچ گیا، سو سنو! وہ دو کلمے جو اللہ تعالیٰ کو نہایت محبوب، زبان پر نہایت ہلکے اور میزان میں نہایت بھاری ہیں، جن کو ایک دفعہ اخلاص و صدق سے کہنے پر زمین آسمان ثواب اور نیکیوں سے بھر جاتے ہیں، جن کے لئے تم سخت بے چین ہو وہ یہ ہیں۔

سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم۔

گویا یہ مخفف ہے اذا جاء نصر اللہ الخ سورۂ نصر کا، اس لئے میں اپنے دوستوں سے کہا کرتا ہوں کہ استغفار کے ساتھ یہ ملا لیا کرو، یوں پڑھا کرو سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم استغفر اللہ العظیم الذی لا الٰہ الا ھو القیوم واتوب الیہ۔ کہ یہ سید الاستغفار ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

اب یہ ننگ اسلاف واکابر بافاضہ حضرت حکیم الامت مرشدی وحضرت شیخ الاسلام استاذی مولانا مدنی وحضرت مفتی اعظم استاذی مولانا سعید احمد نوراللہ مرقدہم بخاری شریف کے اس آخری باب ونضع الموازین القسط لیوم القیمۃ اور باب کی حدیث مسند کے بیان کو بتوفیقہ تعالیٰ ختم کرتا ہے۔

دعائے ختم اللہ تعالیٰ ہم کو کتاب اللہ اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں، کثرت ذکر دوام طاعت کی توفیق ہو، ہماری کوئی مجلس ذکر اللہ اور ذکر رسول سے خالی نہ ہو، اے اللہ! ہماری زبان آپ کے ذکر سے تروتازہ رہے، ہمارے دل میں آپ کی ہمیشہ یاد ہو۔ آپ کے حبیب پاک ہمارے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت و عظمت، طاعت کی بخلوص تادم آخر زیادہ سے زیادہ توفیق ہو۔

اللھم انا نسئلك ما سئلك منه نبيك سيدنا محمد صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ونعوذ بك من شر ما استعاذ منه نبيك سيدنا محمد صلى الله تعالىٰ عليه وسلم۔

اب ایک دفعہ یہ دونوں کلمے مع استغفار باخلاص وصدق پڑھ لئے جائیں۔

سبحان الله وبحمده سبحان الله العظيم استغفر الله العظيم الذى لا اله الا هو القيوم واتوب اليه

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين

ہر قسم کی درسی وغیر درسی واصلاحی کتابوں کے ملنے کا پتہ

مکتبہ فیض اشرف

جلال آباد ضلع مظفر نگر (یو۔پی)

آزاد پریس دیوبند

toobaa-elibrary.blogspot.com

فہرست مضامین

بیان سند روایت	٢
کیفیت تالیف وترتیب ابواب	٣
مقصد تراجم	٣
امام بخاریؒ کا مقصد وضع تراجم سے حضرت امام اعظمؒ پر رد نہیں ہوتا	٤
اجمال مباحث ترجمۃ الباب	٥
تفصیل مباحث ترجمہ باب	٦
تحصیل علم کے اصول وشرائط کی اہمیت	٧
تحصیل علم کے تین اصول	٨
غور وفکر یعنی مطالعہ کا لزوم ووجوب	١٠
امام بخاریؒ کے طرز سے مطالعہ پر دلالت	١٣
باب ہذا کی آخریت	١٤
دوسرا عنوان	١٤
تیسرا عنوان	١٦
چوتھا عنوان	١٨
دوسری بحث وزن اعمال کی حکمت	٢٣
جہل کی مذمت	٢٣
ایک غلطی کا ازالہ	٢٤
درسی علم اور حقیقی علم کا فرق	٢٥
حضرت تھانویؒ کی طلبہ وعلماء کو وصیت	٢٦
عالم کے صحیح معنی	٢٦
علم حقیقی کے لوازم	٢٨
طریق درس	٢٨
رجوع بمقصود	٢٩
تیسری بحث موازین سے متعلق اور ہیئت کے اقسام	٢٩

چوتھی بحث کا موازین سے تعلق	٣١
پانچویں بحث لفظ القسطاس پر	٣١
چھٹی بحث معنی قسط سے متعلق	٣٢
ساتویں بحث وزن اعمال	٣٤
آٹھویں بحث وزن اعمال کے متعلق	٣٩
معتزلہ کے اعتراضوں کے جوابات	٤١
پہلی بحث لفظ انسکاب کے بارے میں	٥٣
دوسری بحث محمد بن فضیل کی عدالت کے بارے میں	٥٣
لفظ تسبیح کے معنی وغیرہ	٥٥
تیسری بحث حبیب کی نسبت رحمٰن کی طرف ہونے کا راز	٥٦
چوتھی بحث سبحان کی اضافت لفظ اللہ کی طرف ہونے کا راز	٥٩
پانچویں بحث وبحمدہ میں واو کس قسم کی ہے۔	٦٠
چھٹی بحث تسبیح کو تحمید پر کیوں مقدم کیا۔	٦٠
پہلے تخلیہ پھر تجلیہ وتحلیہ۔	٦١
سبحان اللہ وبحمدہ کلمہ توحید کی تعبیر ہے۔	٦٢
ساتویں بحث سبحان کو مکرر کیوں لایا گیا۔	٦٢
آٹھویں بحث اللہ کی صفت عظیم لانے میں نکتہ۔	٦٧
نویں بحث اس حدیث کو بخاری شریف کے ختم پر کیوں لایا گیا	٦٧

toobaa-elibrary.blogspot.com

حدیث الدنیا مزرعۃ الآخرۃ کی تشریح	۶۸
اس حدیث کو آخر کتاب میں لانے کی انوکھی وجہ	۷۰
حسن نیت سے ہر چیز کھانا کمانا وغیرہ دین ہے	۷۲
عارف کا ہر قول و فعل برضاء الٰہی ہوتا ہے	۷۲
حضرت عمرؓ افقہ الصحابہ اور حضرت ابوہریرہؓ احفظ الصحابہ	۷۶
عالم خواب میں علم کو دودھ کی شکل کیوں دی گئی۔	۸۰
روح کی اصل غذا	۸۱
علم کی حقیقت	۸۲
نور رسول کو لباس عنصری دینا	۸۲
نور علم کے لئے نقوش و اشکال لباس ہیں۔	۸۳
حقیقی علم حاصل کرنے کا طریقہ	۸۳
عجز و انکسار پر نصرت خداوندی ہوتی ہے	۸۵
علماء کرام بہت اونچا ہے	۸۶
سیئات علم کے لئے مضر ہیں۔	۸۹
حقیقی حیات علم ہی سے حاصل ہوتی ہے۔	۸۹
دنیوی علوم سے امن و سکون حاصل نہیں ہوتا	۹۱
صاحبان علوم دنیا کا حال۔	۹۱
تہذیب و انسانیت صرف علم دین سے آتی ہے۔	۹۳
مولانا سید سلیمان ندویؒ کا تکمیل انسانیت کیلئے حضرت تھانویؒ کی طرف رجوع	۹۴
حضرت تھانویؒ کی بلند ہمتی	۹۷
اور حسن معاشرت و اعلیٰ تہذیب	
حضرت گنگوہیؒ کا بلند حوصلگی اور تواضع میں کمال۔	۹۸
حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی تواضع و بے نفسی۔	۹۹
حضرت مدنیؒ اور بے مثال ادب و احترام	۹۹
اس حدیث کو آخر کتاب میں لانے کی تیسری وجہ	۱۰۲
حدیث کو آخر میں لانے کی چوتھی وجہ۔	۱۰۴
پانچویں وجہ تو ابع کی انجام دہی کے بعد مقصد اصلی کیطرف رجوع۔	۱۰۴
ایک علمی لطیفہ۔	۱۰۵
دسویں بحث حدیث شریف کو ترجمۃ الباب سے مناسبت	۱۰۸
حدیث میں مسند کو مقدم اور مسند الیہ کو موخر کیوں فرمایا۔	۱۰۹
ترجمۂ حدیث شریف۔	۱۰۹
دعائے ختم۔	۱۱۲

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہماری مطبوعات

ختم البخاری

یہ بخاری شریف کے آخری باب کے درس کی تقریر ہے جو مسیح الامت حضرت مولانا مسیح اللہ خاں صاحب دامت برکاتہم کی مخصوص طرز تدریس کا شاہکار ہے، مضامین نہایت عجیب وغریب اور بعض تو محض الہامی ہیں، ناظرین خود اسکا مشاہدہ فرمالیں گے۔

مواعظ

مواعظ قسط اول وقسط دوم۔ منظر عام پر آچکی ہیں، جن میں چھ وعظ ہیں جو حضرت مسیح الامت دامت برکاتہم کے خاص انداز بیان، شفقت و دلسوزی کی خاص نمایاں شان پر مشتمل ہیں، خوفِ الٰہی۔ تعلقِ الٰہی، خشیت الٰہی، وعظ والعصر، کلمہ طیبہ کے تقاضے، اخلاص۔ ناموں سے مضامین پر صاف دلالت ہے۔

ملفوظات

حضرت مسیح الامت دامت برکاتہم کی مجلس کے ارشادات کی طباعت واشاعت کے پیہم تقاضوں کے سبب ہم نے فضیلت علم کے آخر میں یہ سلسلہ شروع کردیا ہے، بحمدہ تعالیٰ تقریباً اکیس بائیس ملفوظات آگئے ہیں، آئندہ قریب ہی ایک قسط مستقل لانے کا ارادہ ہے، حق تعالیٰ کامیاب فرمائیں۔

ناشر:- مکتبہ فیض اشرف جلال آباد ضلع مظفر نگر (یوپی)

toobaa-elibrary.blogspot.com